تعلیمات قرآن و سنت اور نشاۃ اسلامیہ کا علمبردار

سرپرست

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب

شعبان ۱۳۹۹ھ
جولائی ۱۹۷۹ء

مدیر: سمیع الحق

جلد نمبر: ۱۴
شمارہ نمبر: ۱۰

بدل اشتراک: پاکستان میں سالانہ ۲۰/- روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۳ پونڈ، ہوائی ڈاک ۵ پونڈ۔ فی پرچہ ۲ روپے

ع الحق استاد دار العلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
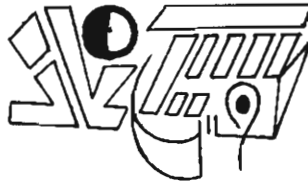
امریکہ کی خلائی تجربہ گاہ سکائی لیب نے پوری بنی نوع انسانیت کو دہشت اور اضطراب میں ڈال کر تہذیب جدید کی سائنسی فتنہ سامانیوں پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور ثابت کر دیا کہ عہد جدید کی یہ سائنسی ترقیات، نت نئے انکشافات اور ایجاد و اختراع کی تمام فتوحات، انسانی فلاح و بہبود سے بڑھ کر بربادی عالم اور انسانیت کی پریشان حالی اور بے چینی و اضطراب کا ذریعہ بھی بن سکتی ہیں۔ بہت پہلے اکبر الہ آبادی نے کہا تھا ؎

جان ہی لینے کی حکمت میں ترقی دیکھی
موت کا روکنے والا کوئی پیدا نہ ہوا

جنگ عظیم اور ہیروشیما اور ناگاساکی کی دلدوز داستانوں اور ایٹم بم، ہائیڈروجن اور ایک سو میگاٹن بموں کی ہلاکت آفرینیوں کے بعد کون کہہ سکتا تھا کہ سائنس کی یہ خلائی تگ و تاز اور خلائی سابقت و منافست کسی بھی وقت انسان کی ہلاکت و تباہی کا ذریعہ نہیں بن سکے گی۔ اور یہ حال تو ان چیزوں کے ارادی اور اختیاری استعمال کا تھا۔ مگر سکائی لیب نے پوری دنیا کو بے بس کر کے ان ترقیات کی غیر ارادی اور تکوینی ہلاکت آفرینی کا الارم بجا کر پوری نوع انسانیت کو لمحہ فکر فراہم کر دیا ہے۔ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ۔

ستر اسی ٹن وزن کے ایک جہاز نے بسیط ارض کے اربوں انسانوں کو بے چین و مضطرب کر دیا۔ جبکہ کسی انسان کی ہلاکت کا امکان ایک کھرب میں ایک حصہ سے بھی کم تھا مگر ہر انسان حواس باختہ اور پریشان خطروں سے بچنے کی انسدادی تدابیر کا فکرمند کہ جتنا بھی ایمان اور عقیدے کا سرمایہ کم تھا اتنا ہی وہ ہراساں اور پریشان، اس لئے کہ خطرہ سر پر منڈلا رہا تھا اور محسوسات اور مشاہدات کے ماہرین نے اس کے وقوع پذیر ہو سکنے کی خبر دی تھی۔

لیکن سب سے بڑھ کر صادق و مصدق مخبر صادق ﷺ کے ذریعہ جب خالق کائنات نے اس عالم کی تباہی اور بربادی اور ویرانی کی خبر قیامت اور الساعۃ اور الواقعۃ کی شکل میں دی تو وہ جو مادیات اور محسوسات کے غلام بن چکے ہیں، کتنے ہیں جو اس قیامت کبریٰ اور زلزلۃ الساعۃ اور احوال قیامۃ کی وجہ سے فکرمند اور پریشان ہو جاتے ہوں۔ اس لئے کہ وہ مغیبات کی بجائے محسوسات کے بندے بن گئے ہیں۔ قرآن نے جب زلزلۃ الساعۃ کی خبر دی کہ ہر دودھ دینے والی ماں دودھ پیتے بچے سے غافل ہو جائے گی ہر جاندار حمل والی چیز کا حمل گر جائے گا۔ اور لوگ خوف و ہراس سے مدہوش ہوں

کی طرح گرتے پڑتے ہانپتے کانپتے بھاگنے لگیں گے۔" تو جو عالم آخرت کو عالم مشاہدہ کی طرح یقینی سمجھنے والے صحابہؓ تھے، ان میں کہرام برپا ہوگیا۔ مدینہ منورہ کے گلی کوچے آہ و بکا سے گونج اٹھے جو جہاں تھا وہیں سر پکڑ کر رہ گیا ــــ فَلَمْ يُرَ بَاكِيًا اَكْثَرَ مِنْ تِلْكَ اللَّيْلَةِ ۔ مدینہ منورہ میں اس رات سے بڑھ کر آہ و فغان کرنے والے نہیں دیکھے گئے۔ تو اپنے ہی ہاتھوں ایک مصیبت اور بلا کو سروں پر مسلّط کر کے چیخنے چلّانے والے سکائی لیب زدہ انسانو! اس روز کا فکر کرو جب سو ڈیڑھ سو ٹن وزنی چیز کی بجائے ہمالیہ جیسے پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی طرح اڑنے لگیں گے۔ اربوں کھربوں ٹنوں کا ایک ایک تودہ روئی کے گالوں کیطرح عالم کو تہس نہس کرنے لگے گا۔ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۔ اور جب آسمان پھٹ جائے گا ــــ اور جب زمین پھیلا دی جائے گی۔ اور جو کچھ اس کے اندر ہے وہ باہر نکال ڈالے گی۔ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۔ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۔ اور جب آسمان پھٹ جائیں گے اور تارے بکھر جائیں گے اور دریا ابل پڑیں گے اور جب قبریں زیر و زبر کر دی جائیں گی اور جان لے گا ہر شخص جو کچھ اس نے آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا۔ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۔ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ۔ اور پھر جب تارے مٹا دئے جائیں گے اور آسمان میں شگاف پڑ جائیں اور پہاڑ اڑا دیئے جائیں گے ــــ اور ان چیزوں میں کس واسطے دیر ہے؟ فیصلہ کے دن کے واسطے کہ وہ دن جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت اور خرابی کا دن ہے۔ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۔ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ (الی قولہ) لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ۔ لِيَوْمِ الْفَصْلِ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۔ اور جب آنکھیں چندھیا جائیں گی۔ اور چاند بے نور ہو جائے گا۔ سورج اور چاند سمیٹ لئے جائیں گے پھر پیچھے گا انسان کہ کہاں بھاگنے کی جگہ ہے؟ کَلَّا لَا وَزَرَ ۔ اِلٰی رَبِّكَ يَوْمَئِذِنِ الْمُسْتَقَرُّ ۔

جب اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی ایک حقیر سی چیز کو سائنس کی پوری دنیا سروں سے ٹال نہیں سکی تو قیامت کی ان ہولناکیوں اور ہلاکت آفرینیوں کا ہے کوئی علاج مجبور دبے بس انسان کے پاس ہرگز نہیں۔ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ۔ پھر کیا انسان کا یہ خیال ہے کہ اُسے یونہی مہمل اور آزاد چھوڑ دیا جائے گا۔؟

سائنسی ترقیات پر اترانے والے انسان کو قدرت نے سکائی لیب کے واقعہ میں سبق دیا کہ علم و فن، انجینئرنگ اور سائنس کی ساری جد و جہد الٹی اس کے حق میں دشمن بھی بن سکتی ہے۔ پھر ان تمام کارناموں کے در پردہ مقاصد اور محرکات اور اب تک کے واقعات کو دیکھ کر کیوں اس ارشاد ربانی کی صداقت پر یقین و ایمان میں اضافہ نہ ہو۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۔

معزول شاہِ ایران جو بزعم خود شاہوں کا شاہ کہلاتا تھا اب خدا کی یہ وسیع کائنات اس پر اپنا عرصۂ حیات اتنا تنگ کر چکی ہے کہ ملک ملک اور دیس دیس کے راندہ درگاہ ہوتے ہوتے اُسے پناہ بھی مل رہی ہے تو خدا کے نزدیک ذلیل اور مغضوب ومقہور قوم یہود کے دامن میں کہ انہیں شاید مسلمانوں میں اپنے صیہونی مقاصد کا آلہ کار اور ایجنٹ اگر ملا تھا تو شاہِ ایران اب اس کی خدمت کا صلہ دینے کا وقت آیا تو عظیم باب امریکہ نے بھی دغا دیدیا بلکہ اس کے ناجائز بچے اسرائیل نے بڑھ کر دامنِ شفقت پھیلا دیا اور عنقریب خبر آئے گی کہ ؎

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔

علم وحکمت دین وموعظت کے کتنے چراغ پچھلے دنوں گل ہوگئے اور کیسے کیسے ستون پیوند خاک ہوگئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ ۲۴ مئی کو مولانا محمد علی مونگیری کے پوتے اور سچے جانشین جامعہ عثمانیہ دکن کے صدر شعبۂ دینیات علم حدیث، اسماء الرجال اور فقہ پر گہری نظر رکھنے والے نقاد وبصیر عالم اور امام بخاری کی کتاب الادب المفرد کی مبسوط عربی شرح فضل اللّٰہ الصمد کے مصنف حضرت مولانا سید فضل اللّٰہ صاحب رحمانی تقریباً ۸۰ برس کی عمر میں علی گڑھ میں انتقال فرما گئے۔ اور اب خبر آئی کہ مظاہر العلوم سہارنپور کے باصلاحیت منتظم، حدیث کے بلند پایہ استاذ ایک شیخ طریقت اور متبحر عالم حضرت مولانا اسعد اللّٰہ صاحب ناظم مظاہر العلوم سہارنپور بھی رفیق اعلیٰ سے جا ملے مرحوم نے عمر بھر دین اور طلبۂ دین کی خدمت کی وہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مدظلہٗ نزیل مدینہ طیبہ کے شاید سب سے بڑھ کر دیرینہ رفیق اور معتمد تھے، حق تعالیٰ دین کے ان خادموں کو ان کی محنتوں کا غیر متناہی صلہ عطا فرمادے۔

انتقال فرمانے والے حضرات میں ہمارے ملک کے ایک بزرگ حضرت مولانا فضل احمد صاحب سکنہ تلہ گنگ بھی ہیں جن کی ساری زندگی دینی وملی کاموں میں محنت اور جدوجہد میں گزری وہ امیر شریعتؒ کے مخلص ساتھیوں میں سے تھے اور اب بھی تحفظ ختم نبوت کے کاموں میں سرگرمی سے حصہ لے رہے تھے دار العلوم حقانیہ کی امداد اور تعاون میں بھی وہ ہمیشہ بھرپور حصہ لیتے رہے حق تعالیٰ علم وادب کے ان چراغوں کی روشنی سے اُس دنیا کو روشن رکھے اور ان کے معنوی برکات وفیوضات جاری وساری رہیں۔

واللّٰہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

از جناب محمد یوسف کانوی

پاکستان میں شیعہ آبادی؟

پاکستان میں موجودہ شیعہ آبادی کتنی ہے؟

۱۔ خود شیعہ حضرات کا دعویٰ

شیعہ حضرات کا اپنی آبادی کے متعلق کوئی حتمی دعویٰ نہیں ہے۔ بلکہ جو جس کے جی میں آتا ہے وہی کہتا ہے کبھی شیعہ آبادی (کل آبادی کا) ۳۰٪ ہوتی ہے کبھی یہ بڑھ کر ۴۰٪ ہو جاتی ہے۔ کبھی تناسب کی جگہ اعداد ہوتے ہیں جو کبھی دو کروڑ اور کبھی ساڑھے تین کروڑ۔

۲۔ شیعہ آبادی کے متعلق عام تاثر

کیونکہ ذرائع ابلاغ پر عموماً شیعہ حضرات قابض ہیں اور وہ اپنی آبادی بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر عام لوگوں کا یہ خیال ہے کہ پاکستان میں شیعہ آبادی ۱۰ سے ۱۵ فیصد تک ہے لیکن کیونکہ یہ تاثر ٹھوس حقائق کی بنا پر نہیں ہے بلکہ "بس خیال ہے"۔۔۔ اور اس کیفیت کی ممکنہ وجوہ میں شیعہ پروپیگنڈہ سر فہرست ہے ذرائع ابلاغ پر ان کے گہرے کنٹرول کی وجہ سے ان کو غیر معمولی "کوریج" ملتا ہے۔ اہم عہدوں پر شیعہ حضرات کا فائز ہونا اور پاکستان کی تقریباً نصف دولت پر ان کا قبضہ (۲۲ دولت مند خاندانوں میں تقریباً نصف شیعہ ہیں) لاؤڈ اسپیکر پر مجالس، ماتم اور شب بیداریوں کی ہر طرف سے آواز۔۔۔ حالانکہ مجالس کی حاضری بہت معمولی ہوتی ہے اور شب بیداریوں میں عموماً کیسٹ بجتا رہتا ہے اور صرف ایک یا دو آدمی اس کے انتظام کے لئے حاضر رہتے ہیں لیکن لاؤڈ اسپیکر اس قدر تیز استعمال کیا جاتا ہے جس سے دور دور آواز جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سینکڑوں آدمی شب بیداری میں شامل ہیں اور اس طرح ان کی آبادی اصل سے بے حد زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ محرم میں ہر شیعہ روزانہ سات آٹھ مجالس میں حاضری دیتا ہے جس کی وجہ سے چھوٹی چھوٹی کامیاب مجالس کی کثرت دکھائی دیتی ہے اس کے علاوہ بڑی پبلک مجالس جن میں تقریباً (سوائے معذوروں کے) تمام ہی شیعہ شریک ہوتے ہیں اور پھر ہر شیعہ یہ کوشش کرتا ہے کہ اس میں سنی بھی شریک ہوں۔ اور چونکہ بیشتر عہدے شیعوں کے قبضے میں ہیں اس لئے وہ عہدے سے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان کے ماتحت سنی کافی تعداد میں شریک ہو جاتے ہیں۔ اس لئے وہ مجالس بہت کامیاب اور بڑی معلوم ہوتی ہیں۔ اور اس طرح شیعہ آبادی غیر شعوری طور پر اپنی اصل سے کئی گنا زیادہ معلوم ہوتی ہے

۳- اصل حقیقت:

اعداد و شمار اور دیگر حقائق کی بنا پر پاکستان میں شیعہ آبادی کی اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ کل آبادی کا 1.75% یعنی پونے دو فیصد ہیں اور کل آبادی کی مذہبی تقسیم حسب ذیل ہے ۔

سنی	94.42	فی صد
شیعہ	1.75	"
غیر مسلم بشمول قادیانی -	3.83	"

الف شیعہ آبادی اعداد و شمار کی روشنی میں

مردم شماری اور شیعہ

پاکستان بننے کے بعد ۱۹۵۱ء، ۱۹۶۱ء اور ۱۹۷۲ء میں مردم شماری ہوئی ہے مگر شیعوں کو الگ شمار نہیں کیا گیا جس کی وجہ خود ان کی اپنی خواہش کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے ۔ کیونکہ حکومت میں نیز ذرائع ابلاغ صنعت و تجارت، دولت بلکہ ہر میدان میں شیعہ حاوی ہیں - اور یہ ایک بہت منظم اور فعال گروہ ہیں ۔ اس لئے یہ اپنی حسب منشا پالیسی بنوانے میں کامیاب ہیں ۔ لیکن اگر مردم شماری میں شیعوں کو الگ شمار کر لیا جاتا اور سنی و شیعہ آبادی کی الگ الگ تعداد شائع ہو جاتی تو ان سب بلند بانگ دعووں کی حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ۔ حالانکہ خود شیعہ نظم کے پاس اپنی آبادی کی پوری پوری تفصیلات ہوتی ہیں وہ اگر اپنے دعوؤں میں سچے ہیں تو تفصیل وار شیعہ آبادی کے اعداد و شمار شائع کر کے اصل حقائق کو قوم کے سامنے آنے دیں ۔

پاکستان بننے سے پہلے غیر منقسم ہند میں ۱۹۴۱ء (اور اس سے پہلے) ۱۹۳۱ء میں مردم شماری ہوئی مگر وہاں بھی شیعہ آبادی الگ نہیں دکھائی گئی ۔ حالانکہ یہودی آبادی جو کل ۲۲ ہزار کے لگ بھگ ہے اس کی تفصیل موجود ہے انگریزوں کی عام پالیسی بھی تھی کہ مسلمانوں کو گروہ در گروہ بانٹیں ۔ اس لئے اگر وہ شیعہ آبادی کو الگ دکھاتے تو ان کی عام پالیسی کے مطابق ہوتا لیکن چونکہ انگریزوں کے ہاں ایک مراعات یافتہ طبقہ تھا اور یہ مراعات ان کی آبادی کے تناسب سے بہت زیادہ تھیں اس لئے لازماً شیعوں کے حق ہی تھا کہ وہ اپنی آبادی کی کمی کے راز کو ظاہر نہ ہونے دیں اور انگریزوں پر اپنے اثر و رسوخ کو استعمال کر کے بعد کی مردم شماریوں میں اپنی علیحدہ تعداد نہ آنے دیں ۔ کیونکہ ۱۹۲۱ء کی مردم شماری میں اصل حقیقت سامنے آچکی تھی ۔

۲- ۱۹۲۱ء کی مردم شماری

غیر منقسم ہند کی ۱۹۲۱ء کی مردم شماری میں شیعہ آبادی کی صوبہ وار تفصیل دی ہوئی ہے جس کو بنیاد بنا کر ہم مندرجہ ذیل حقائق کی مدد سے موجودہ آبادی کا تخمینہ بآسانی لگا سکتے ہیں ۔

ہندوستان کی عام آبادی کا شرح اضافہ کیا رہا ہے۔ ۲۔ وہ گروہ جس کا کہ شیعہ خود ہیں یعنی مسلمانوں کی آبادی میں شرح اضافہ کیا جا رہا ہے۔ ۳۔ غیر منقسم ہند کے وہ کون سے علاقے ہیں جن کی آبادی سے موجودہ پاکستان کی آبادی کا تعلق ہے۔ تاکہ ہمارے تخمینے میں ۱۹۴۷ء کی ہجرت کے جو اثرات ہوئے وہ بھی ملحوظ ہو جائیں۔ ۴۔ مندرجہ بالا کے علاوہ ہمیں اس حقیقت کو بھی ملحوظ رکھنا ہے کہ چونکہ ہمارا مسئلہ ایک مذہبی گروہ سے وابستہ ہے اس لئے اس گروہ میں تبدیلی مذہب سے کوئی فرق ہوا ہے یا نہیں یعنی ان کی تبلیغی مساعی سے ان کے گروہ میں اضافہ ہوا ہے یا اس گروہ میں ترکِ مذہب سے کمی ہوئی ہے۔

جدول الف - ۱۹۲۱ء میں ہندوستان میں صوبہ وار شیعہ آبادی

نمبر شمار	صوبہ (غیر منقسم ہند)	شیعہ آبادی	حوالہ:- مردم شماری رپورٹ ۱۹۲۱ء جلد نمبر	شمارہ	ضمیمہ	صفحہ
۱	بلوچستان	۳۷۳۹	۴	۱	-	۴۸
۲	سرحد	۸۰۲۰۰	۴	۱	-	۸۷ تا ۸۴
۳	پنجاب و دہلی	۲۵۹۳۵۱	۱۵	۱	-	۱۷۶
۴	بمبئی و سندھ	۱۴۴۴۲۷	۸	۱	ف	۱۶
۵	یوپی	۱۷۱۵۲۳	-	-	-	-
۶	آسام	۴۳۴	۳	۱	-	۵۳
۷	بنگال	۲۵۸۰	۵	۱	-	۱۶۱
۸	سی پی و برار	۱۱۶۴۰	۱۱	۲	-	۳۵
۹	مدراس	۵۴۱۱۴	۱۳	۱	-	۵۹

صوبہ متحدہ کی ۱۹۱۱ء کی شیعہ آبادی کی بنا پر ۱۹۲۱ء کی آبادی کا تخمینہ

نوٹ - ۱۹۱۱ء سے لے کر ۱۹۲۱ء تک کل آبادی میں اضافہ برائے نام ہوا ہے۔ جس کی وجہ وبائی امراض وغیرہ ہیں۔

(حوالہ مردم شماری رپورٹ ۱۹۱۱ء ج ۱۵ حصہ اول صفحہ ۱۵۸)

۳۔ متعلقہ صوبہ تشکیل پاکستان

غیر منقسم ہند کے وہ صوبے جو اب کلی یا جزوی طور پر پاکستان میں شامل ہیں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ بلوچستان اور سرحد کلی طور پر (۲) صوبہ پنجاب و دہلی میں سے صرف مغربی پنجاب۔ ۳۔ صوبہ بمبئی و سندھ میں سے صرف سندھ متعلقہ صوبوں کی کل آبادی (۱۹۲۱ء)

بلوچستان ۳۷۳۹ سرحد

اگر لکھنؤ وغیرہ سے بھی کچھ ہجرت تصور کریں تو مزید ۵۰۰۰

اس لئے ۱۹۲۱ء کی کل متعلقہ (شیعہ) آبادی ۴۱۲۲۹۰

۶- موجودہ آبادی

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ۱۹۲۱ء کی متعلقہ آبادی آج کے کے گنا ہو چکی ہے۔ ہمارے پاس جو مواد ہے اور جس سے ہم مدد لے سکتے ہیں وہ پاکستان بننے کے بعد کی مردم شماری رپورٹس ہیں یعنی ۱۹۵۱ء اور اس کے بعد کی رپورٹیں جس سے پاکستان کی آبادی کا شرح اضافہ معلوم کرنا ہے مگر ۱۹۲۱ء سے لے کر ۱۹۵۱ء کے عرصہ کے لئے صرف غیر منقسم ہند کے اعداد و شمار سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

جدول ب۔ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۲ء تک کل آبادی کا شرح اضافہ

۱	سن	۱۹۰۱	۱۹۱۱	۱۹۲۱	۱۹۳۱	۱۹۴۱	۱۹۵۱
۲	کل ہند کی آبادی ہزاروں میں	۲۸۳۸۶۷	۳۰۳۰۰۴	۳۰۵۷۲۶	۳۳۷۶۷۵	۳۸۸۹۹۸	۴۳۲۸۴۲
۳	ایک مردم شماری کا پچھلے عشرہ سے تناسب	-	۱٫۰۶۷	۱٫۰۰۹	۱٫۱۰۶	۱٫۱۵۰	۱٫۱۱۳
۴	۵۱ اور ۲۱ کا تناسب	-		-	-	-	۱٫۴۱۵

حوالہ برائے آبادی ۱۹۰۱ء تا ۱۹۴۱ء (۲ صفحہ ۱۷۹)

" " " ۱۹۵۱ء (برائے پاکستان ۳ صفحہ ۴ برائے ہند ا صفحہ ۶۵)

جدول ت۔ ۱۹۰۱ سے ۱۹۵۱ برصغیر کی مسلم آبادی کا شرح اضافہ

۱	سن	۱۹۰۱	۱۹۱۱	۱۹۲۱	۱۹۳۱	۱۹۴۱	۱۹۵۱
۲	کل ہند مسلمانوں کی آبادی ہزاروں میں	۶۲۱۱۸	۶۷۸۳۵	۷۱۰۰۵	۷۹۳۰۵	۹۴۴۴۶	۱۰۲۱۴۰
۳	ایک مردم شماری کا پچھلے عشرہ سے تناسب	-	۱٫۰۹۲	۱٫۰۶۴	۱٫۱۱۷	۱٫۱۹۱	۱٫۰۸۱۵
۴	۵۱ اور ۲۱ کا تناسب	-	-	-	-	-	۱٫۶۴۳۸

حوالہ برائے آبادی ۱۹۰۱ تا ۱۹۴۱ (۲ صفحہ ۱۷۹)

" " ۱۹۵۱ (۱ صفحہ ۶۵ اور ۳ صفحہ ۶)

۷۔ ۱۹۵۱ء میں شیعہ آبادی کا تخمینہ

۱۹۲۱ء کی متعلقہ آبادی ——— ۴۱۲۲۹۰

۱۹۵۱ کی آبادی شرح اضافہ ۱٫۴۱۵ ۴۱۲۲۹۰ × ۱٫۴۱۵ = ۵۸۳۳۹۰ (مطابق جدول ب)

۱۹۵۱ کی آبادی شرح اضافہ ۱٫۳۸۴۸ ۴۱۲۲۹۰ x ۱٫۴۳۸ = ۵۹۲۸۷۳ (مطابق جدول ت)

ہم ۱۹۵۱ء میں وہ ہی شیعہ آبادی تسلیم کئے لیتے ہیں جو شیعوں کے حق میں ہے یعنی ۵۹۲۸۷۳

۸۔ موجودہ شیعہ آبادی

۱۹۷۲ء میں پاکستان کی آبادی (مردم شماری کے مطابق ۶۴۸۹۲٫۰۰۰

۱۹۷۶ء کے لئے اقوام متحدہ کا تخمینہ ۷۲۴۰۰٫۰۰۰

(حوالہ ۴ صفحہ ۹۱۷)

جنوری ۱۹۷۲ء سے جون ۱۹۷۶ء تک (۴½ سال) کا سالانہ شرح اضافہ ۲٫۴۷۳

جون ۱۹۷۹ء میں پاکستان کی آبادی کا تخمینہ ۷۷۸۸۲٫۰۰۰

موجودہ آبادی کا (۱۹۵۱ کی آبادی سے) تناسب ۲٫۳۰۴

موجودہ شیعہ آبادی ۵۹۲۸۷۳ x ۲٫۳۰۴ = ۱۳۶۵۹۷۳

(کل موجودہ آبادی کا فی صد ۱٫۷۵)

۱۹۲۱ کی شیعہ آبادی کے اعداد و شمار اور اس وقت سے لے کر بعد کی شرح اضافہ کی بنیاد پر موجودہ شیعہ آبادی کا تخمینہ پیش کر دیا گیا۔ اس کے بعد ہمیں صرف یہ دیکھنا باقی رہ گیا کہ شیعہ آبادی پر تبدیلی مذہب سے تو کوئی فرق نہیں پڑا ہے یعنی غیر شیعہ شیعیت قبول کر کے شیعوں کی تعداد میں اضافہ کیا ہے۔ یا۔ شیعوں نے ترک مذہب سے شیعوں کی تعداد میں کمی کی ہے۔ آیئے ہر دو امکانات پر ایک نظر ڈالے لیتے ہیں۔

غیر شیعوں کا شیعیت قبول کرنا

اس امکانی شکل کے لئے ضروری ہے کہ جس گروہ میں اضافہ ہو وہ اپنے مذہب کی تبلیغ کرتا ہو (قطع نظر اس کے کہ اس مذہب میں جاذبیت ہو یا نہ ہو) یہ شرط اولین ہے مگر شیعیت میں تبلیغ منع ہے۔ جیسا کہ حسب ذیل حوالہ سے ظاہر ہے۔

"فضل بن یسار سے مروی ہے کہ میں نے امام جعفر صادق سے کہا۔ ہم لوگوں کو امر امامت کی طرف بلائیں؟ فرمایا۔ نہیں اے فضل جب خدا کسی بندہ سے نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو فرشتہ کو حکم دیتا ہے۔ وہ اس کی گردن پکڑ کر اس امر کی طرف متوجہ کر دیتا ہے چاہے وہ شخص خوش ہو یا ناخوش"

مندرجہ بالا حکم امام کی مترجم نے جو توضیح پیش کی ہے۔ حسب ذیل ہے۔

توضیح "چونکہ ہر زمانہ میں حکومتیں ہمارے ائمہ کے خلاف رہیں۔ لہٰذا انہوں نے مومنین کو کھلم کھلا امامت کی طرف بلانے سے روکا۔ اور اس معاملہ کو توفیق الٰہی کے سپرد کیا" (الشافی ترجمہ اصول کافی ج ۱ ص ۱۶۸)

مندرجہ بالا حوالہ سے صاف ظاہر ہے کہ براہ راست تبلیغ شیعیت میں نہیں اور جب تبلیغ نہیں تو اشاعت مذہب

کس طرح ممکن ہے ؛ یہ حقیقت بالواسطہ مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے بخوبی واضح ہو جاتی ہے ۔

دینی مدارس کے اعداد و شمار اور شیعہ آبادی

تمام دینی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے علماء دین کی ضرورت رہتی ہے مثلاً بحیثیت مدرس ۔ بحیثیت ائمہ مساجد بحیثیت واعظین و ذاکرین ، برائے نکاح و میت وغیرہ ۔ ان سب کاموں کے لئے علماء کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ ضرورت دینی مدارس ہی پورا کرتے ہیں ۔ جہاں علماء تیار ہوتے ہیں ۔ چنانچہ دینی مدارس اور ان میں طلباء کی تعداد کا آبادی سے گہرا رشتہ ہونا لازمی ہے اور یہ نسبت ۔ کوئی وجہ نہیں کہ شیعوں کی عام مسلمانوں سے مختلف ہو۔

لہٰذا جو نسبت دینی مدارس کے لئے کل طلباء کی کل مسلم آبادی سے ہے وہی نسبت کل طلبا کی مسلم آبادی سے ہے وہی نسبت کل شیعہ طلبا کی ان کی آبادی سے ہونی چاہئے۔

آیئے اب مندرجہ ذیل اعداد و شمار دیکھتے ہیں ۔

جدول ث ۔ دینی مدارس کے اعداد و شمار

صوبہ	کل مدارس	کل شیعہ مدارس	شیعہ مدارس کل کا فیصد	کل طلبا	کل شیعہ طلبا	شیعہ طلباء کل کا فی صد
پنجاب	۵۸۰	۱۳	۲.۲۴	۲۹۰۹۵	۴۴۲	۱.۵۲
سرحد	۱۴۹	۱	۰.۶۷	۹۵۰۶	۳۱	۰.۳۲
سندھ	۱۲۰	۱۰	۰.۸۳	۵۴۳۰	۳۵	۰.۶۵
بلوچستان	۴۴	-	-	۱۲۰۷	-	-
کل پاکستان	۸۹۳	۱۵	۱.۶۸	۴۵۲۳۸	۵۰۸	۱.۱۲

(حوالہ ۵ ۔ صفحہ بالمقابل ۱۷ ۔ بالمقابل ۳۶۹ ۔ بالمقابل ۴۷۵ ۔ بالمقابل ۵۶۵ اور شیعہ مدارس کے اعداد و شمار کے لئے دیکھو صفحہ ۳۱، ۳۲، ۱۱۶، ۱۳۳، ۱۷۸، ۱۸۳، ۱۹۰، ۱۹۵، ۱۹۷، ۲۶۷، ۲۶۸، ۳۰۴، ۳۶۳، ۴۳۱، ۴۹۰

مندرجہ بالا دینی مدارس کے اعداد و شمار بالکل اس تخمینہ کے مطابق ہیں جو ۱۹۲۱ء کی مردم شماری وغیرہ سے ظاہر ہوتے ہیں طلباء کی نسبت سے آبادی ۱.۱۲ فی صد ظاہر ہوتی ہے جو ۱.۷۵ (یعنی ۱ ۳/۴ فیصد) سے کم ہے جس کی وجہ ایک تو لازماً یہ ہے کہ ۱۹۲۱ کی مردم شماری میں شیعہ سے مراد تمام شیعہ فرقے ہیں ۔ یعنی شیعہ اثنا عشری ۔ شیعہ اسماعیلی اور شیعہ بوہری مگر دینی مدارس کے جائزے سے ہیں جو اعداد و شمار ہیں وہ صرف شیعہ اثنا عشری کے ہیں بہرحال نتیجہ صاف ہے کہ شیعہ آبادی پاکستان میں کل آبادی کا زیادہ سے زیادہ ۱.۷۵٪ ہے ۔ (یعنی پونے دو فیصد)

حوالہ جات :- مندرجہ ذیل کتب حوالہ ان کے علاوہ ہیں جنکی تفصیل اصل مضمون میں آچکی ہے۔

1. Binani, G.D. and T.V. Rama Rao, India at a glance, Longmans, Calcutta, 1954
2. Davis Kingsley, The Population of India and Pakistan, Princeton New Jersey, 1951.
3. ~~25~~ years of Pakistan in Statistics, Central Statistical Office, Economic Affairs Division, Government of Pakistan, 1972.
4. Whitaker's Almanack 1977, J. Whitaker & Sons LTD. London 1976.
5. جائزہ مدارس عربیہ مغربی پاکستان مسلم اکاڈمی۔ محمد نگر۔ علامہ اقبال روڈ لاہور۔ ۱۹۷۲ء

مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کے جشن صد سالہ

کے مقاصد

دارالعلوم دیوبند مسلمانوں کا دھڑکتا ہوا دل ہے اس کی بیداری سے برصغیر بیدار ہے۔ اور اس کی تاب و توانائی سے مسلمانوں میں کتاب و سنت اور دین و شریعت کا چرچا باقی ہے۔ دارالعلوم دیوبند تیرھویں صدی ہجری کے ۱۲۸۳ھ میں قائم ہوا تھا۔ اس پر بحمداللہ پوری چودھویں صدی ہجری گزر چکی۔ صرف ایک سال باقی رہ گیا ہے۔ پندرھویں صدی کے ابتداء میں دارالعلوم دیوبند اپنا صد سالہ اجلاس کرنا چاہتا ہے جس میں اپنے سات آٹھ ہزار فضلاء اور فارغین کو دستار فضیلت بھی عطا کرے گا۔ اور ساتھ ہی پورے عالم اسلام کو ایک مرکز پر جمع کرنے کا عزم رکھتا ہے اور مستقبل کے لئے لائحہ عمل تیار کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ نے اس اجلاس صد سالہ کے جو نصب العین اور مقاصد طے کئے ہیں ان کے لفظوں میں یہ ہے:

۱۔ دارالعلوم کے مسلک، مقاصد، خدمات، خصوصیات اور امتیازات کا تعارف اور آج کے دور میں اس کی معنویت کا اثبات، اور اس معنویت کے لئے اگر اب تک کے نظام تعلیم اور مقصدی نشانوں میں کسی ترمیم کی ضرورت محسوس کی جائے تو اس کے مطابق اپنے کچھ فیصلوں کا اظہار و اعلان۔

۲۔ دارالعلوم اور اس کے اکابر اور فیض یافتوں کی مختلف میدانوں میں دینی و علمی خدمات کا تعارف اور اشاعت

۳۔ وقت کے تقاضوں کے مطابق امت میں علم دین کی ضرورت کا احساس تازہ و تیز کرنا اور بدلے ہوئے حالات میں حاملین دین کو اپنے منصبی فرائض اور کردار کی یاددہانی۔

۴۔ اسلام جس کی خدمت و اشاعت اور حفاظت دارالعلوم کا بنیادی نصب العین ہے اس کے اصول اور تعلیمات پر خطبات اور مقالات کے ذریعہ ایسی بھرپور روشنی جو عالم انسانیت کے لئے اس کی ضرورت اور قدر و قیمت اجاگر کر دے جس سے ملت فکری و اعتقادی نظام پر حملہ آور تحریکات و افکار کی فتنہ انگیزی کے مؤثر انسداد کی ضرورت بھی پوری ہو سکے۔

۵۔ آج کے دور میں جن مسائل کے سلسلہ میں علمائے اسلام کے عمومی موقف پر خود مسلمانوں کے جدید طبقہ میں اعتنائی

پائی جاتی ہے ان کے بارے میں مجلس مذاکرات کی شکل میں اطمینان بخش توضیحات اور افہام و تفہیم کے ذریعہ بے اطمینانی کا حتی الوسع ازالہ۔

کم از کم دار العلوم کے مسلک کے تمام عربی مدارس کو کسی باہمی رابطہ کے نظام میں مربوط کرنے کی دعوت اور اس کی داغ بیل ڈالنے کی بھر پور کوشش۔

۷۔ دوسرے ممالک خاص کر ممالک اسلامیہ کی اہم اور مرکزی دینی تعلیم گاہوں اور اداروں سے رابطہ اور باہم افادہ اور استفادہ کی راہ ہموار کرنے کی کوشش۔

۸۔ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اپنائے دار العلوم کے درمیان رابطہ کی کوئی شکل قائم کر کے دین کی خدمت و اشاعت میں اس سے کام لینا۔

ان مقاصد اجلاس صد سالہ کو بار بار پڑھیں اور اندازہ لگائیں کہ دار العلوم کا منصوبہ ہمہ گیر اور عالمگیر ہے اور ان کی تکمیل سے برصغیر بلکہ عالم اسلام کو کیسی برتری اور سر بلندی حاصل ہوگی۔ مسلمانان عالم کا فرض ہے کہ صد سالہ اجلاس کی کامیابی کے لئے وہ جو کچھ تعاون کر سکتے ہیں اس سے دریغ نہ کریں۔

از حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم

بھارت کی ایک مسلم کمپنی کی طرف سے ہر سال عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقعہ پر ایک شاندار اور خوب صورت کارڈ اور اس کارڈ پر کسی مشہور مسلمان اہل قلم یا کسی مستند عالم کی ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک مختصر تحریر شائع کی جاتی ہے جو کمپنی کی طرف سے ایک نذرانہ عقیدت ہر سال بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کیا جاتا ہے۔ پچھلے سال اس کارڈ پر حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ کی درج ذیل تحریر شائع ہوئی جسے ہم قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں (ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

سرکار دو عالم فخر بنی آدم رسول الثقلین حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ اپنی ظاہری باطن وسعتوں اور پہنائیوں کے لحاظ سے کوئی شخصی سیرت مقدسہ نہیں بلکہ ایک عالمگیر اور بین الاقوامی سیرت ہے جو شخص واحد کا دستور زندگی نہیں بلکہ جہانوں کے لئے ایک مکمل دستور حیات ہے۔

قرآن حکیم کے مختلف مضامین سے اپنی اپنی نوعیت اور مناسبت کے مطابق سیرت کے مختلف الانواع پہلو ثابت ہوتے ہیں۔ قرآن کی ذات و صفات کی آیتیں آپ کے عقائد ہیں اور احکام کی آیتیں آپ کے اعمال۔ تکوین کی آیتیں آپ کا استدلال ہیں اور تشریع کی آیتیں آپ کا حال۔ قصص و امثال کی آیتیں آپ کی عبرت۔ تذکیر کی آیتیں آپ کی موعظت، خدمت خلق کی آیتیں آپ کی رحمت و شفقت ہیں اور کبریائی حق کی آیتیں آپ کی عظمت، اخلاق کی آیتیں، آپ کا حسن معیشت ہیں اور معاملات کی آیتیں آپ کا حسن معاشرت۔ توجہ الی اللہ کی آیتیں آپ کی خلوت ہیں اور تربیت خلق اللہ کی آیتیں آپ کی جلوت، قہر اور غلبہ کی آیتیں آپ کا جلال ہیں اور مہر و رحمت کی آیتیں آپ کا جمال۔ تجلیات حق کی آیتیں آپ کا مشاہدہ ہیں اور ابتغاء وجہ اللہ کی آیتیں آپ کا مراقبہ۔ ترک دنیا کی آیتیں آپ کا مجاہدہ ہیں اور احوال و نشر کی آیتیں آپ کا محاسبہ، نفی غیر کی آیتیں آپ کی فنائیت ہیں اور اثبات حق کی آیتیں آپ کی بقائیت

انابت کی آیتیں آپ کا شہود ہیں اور حضور کی آیتیں آپ کی غیبت، نعیم جنت کی آیتیں آپ کا شوق، رحمت کی آیتیں آپ کی رجاء ہیں اور عذاب کی آیتیں آپ کا خوف، انعام کی آیتیں آپ کا سکون و انس ہیں اور انتقام کی آیتیں آپ کا حزن۔ حدود و جہاد کی آیتیں آپ کا البغض فی اللہ ہیں اور امن و ترحم کی آیتیں آپ کا حب فی اللہ نزولِ وحی کی آیتیں آپ کا عروج ہیں تبلیغ و تعلیم کی آیتیں آپ کا نزول تنقید و امر کی آیتیں آپ کی خلافت ہیں۔ اور خطاب کی آیتیں آپ کی عبادت وغیرہ وغیرہ۔

غرض کسی بھی نوع کی آیت لو وہ آپ کسی نہ کسی پیغمبرانہ سیرت اور کسی نہ کسی مقام نبوت کی تعبیر ہے اور آپ کی سیرت اس کی تفسیر جس سے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس زریں مقولے "وکان خلقہ القرآن" سے قرآن اور ذاتِ اقدس نبوی کی کامل تطبیق اور صدیقۂ پاک کی علمی گہرائیوں اور ذاتی ذکاوتوں کا نشان ملتا ہے۔ اس لئے یہ دعویٰ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ثابت ہوتا ہے کہ اگر قرآن کے علمی عجائبات کبھی ختم نہیں ہو سکتے تو سیرتِ نبوی کے عملی عجائبات بھی کبھی ختم ہونے والے نہیں۔ اور اگر قرآن عملی طور پر تا قیامت اپنے شاخ در شاخ علوم سے بنی نوع انسان کی تکمیل کا ضامن ہے تو یہ سیرتِ جامعہ تا یوم حشر اپنے شاخ در شاخ عملی اسوؤں سے اقوام عالم کی تکمیل و تسکین کی کفیل رہے گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اور سیرت کے بے شمار عملی نمونے اور اسوے ہر وقت جس روح سے زندہ و پائندہ تھے وہ یہی ذکرِ الٰہی، تفویض مطلق اور عبادتِ خداوندی کی روح تھی گویا اس کے لئے اس پاک زندگی کا لباڈھانچہ بنایا گیا تھا۔ کہ اس میں ذکر و فکر کی روح پھونکی جائے۔ چنانچہ آپ کی زندگی کا ہر لمحہ ذکر اللہ سے معمور اور فکر آخرت سے بھرپور تھا۔ ذکر عام کے بارے میں حدیث میں ہے۔

کان یذکر اللہ علیٰ کل احیانہٖ — آپ ہر لمحہ ذکرِ الٰہی میں لگے رہتے تھے۔

اور فکرِ دائمی کے بارے میں ارشادِ حدیث ہے کہ:۔

کان دائم الفکر و حزیناً — آپ ہمیشہ متفکر اور غمزدہ رہتے تھے۔

پس آپ کی زندگی اور زندگی کی سیرت بالاصل نہ ملوکیت تھی نہ ریاست، نہ غلبہ و قہر تھی، نہ تسلط و استیلاء، نہ تعیش تھی نہ تزئین، نہ آرائش و زیبائش تھی۔ نہ راحت طلبی و آسائش۔ بلکہ بندگی سرافگندگی۔ نیازکیشی، عبودیت اور اطاعت و عبادت تھی جس میں خوئے ذکر اور بوئے فکر سمائی ہوئی تھی۔ اور جو کچھ بھی زندگی یا نقل و حرکت تھی وہ اسی فکرِ دائمی اور ذکرِ دوامی کے رنگ میں تھی۔ قرآن نے اس ذکر و فکر کے مجموعہ کو اِنابت کہا۔

گویا آپ کی سیرت مقدسہ اصولاً زندگی کے تین شعبوں پر مبنی ہے:۔

تعلق مع اللہ، تعلق مع الخلق اور تعلق مع النفس۔

باقی ص۸۵ پر

از سید نصیب علی شاہ بخاری
متعلم دورۂ حدیث دارالعلوم حقانیہ

افغانستان کے کمیونسٹ حکومت کے خلاف

علماءِ حق کی جدوجہد

گذشتہ دو سال سے بعض اسلامی ممالک میں سامراجی طاقتوں سے آزادی حاصل کرنے کی کامیاب جدوجہد شروع کی گئی ہے اور یوں اب ملتِ اسلامیہ پھر اپنی حقیقت کے راہ پر گامزن ہونے کے احساس سے سرمایہ داری اور اشتراکیت کی نظریاتی غلامی سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ خدا کرے کہ اسلامی ممالک کی یک جہتی کے ساتھ یہ تحاریک کامیابی کی آخری منزل تک پہنچ جائے۔ اس مبارک مشن کا آغاز پاکستان اور ایران نے کیا ہے جو اپنی جدوجہد میں کافی حد تک کامیاب ہوتے ہیں۔ افغانستان میں بھی اشتراکیت کی غلامی سے نجات پانے کے لئے مسلمانوں نے اپنی جانی و مالی قربانی دینے کے ساتھ مبارک جدوجہد کا آغاز کر رکھا ہے۔ ایران اور پاکستان کی طرح افغانستان میں بھی موجودہ تحریک کی قیادت علمائے حق ہی کر رہے ہیں اور یوں چودھویں صدی کے اختتام میں علماء نے تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کر دیا ہے۔ افغانستان کے روس نواز ترہ کئی حکومت کے خلاف علماء کی قیادت میں تحریک شروع کر دیا گیا ہے۔ جو کامیابی کے مختلف مراحل کے ساتھ بڑھ رہا ہے اس وقت افغانستان میں حرکت انقلاب اسلامی۔ حزب اسلامی۔ جمعیۃ اسلامی تین بڑی سیاسی جماعتیں جہاد میں مصروف ہیں اس تحریک کا آغاز حرکت انقلاب اسلامی کے پلیٹ فارم سے کیا گیا جس کے ساتھ ابتدائً مذکورہ دو دیگر جماعتوں کا بھی اتحاد رہا۔ حرکت انقلاب اسلامی کی قیادت علماء کر رہے ہیں حرکت کے سربراہ مولانا محمد نبی محمدی ہیں جبکہ جنرل سکریٹری مولوی نصراللہ ہیں مرکزی عاملہ میں بعض سابق اعلیٰ فوجی افسر اور پاکستان کے ممتاز علمی درسگاہ دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء بھی شامل ہیں۔ حرکت انقلاب اسلامی کے سربراہ مولانا محمد نبی محمدی افغانستان کے ممتاز عالم دین اور سیاسی لیڈر ہیں۔ ۱۳۲۱ھ کو لوگر میں پیدا ہوئے ۱۳۶۶ میں دینی علوم سے فارغ التحصیل ہوئے بعد میں ۳۴ سال تک درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا ان کے آباؤ اجداد میں

افغانستان کے مشہور علماء و مشائخ مولانا عبدالرحیم - مولانا عبدالرشید - حاجی عبدالرحیم اور مولوی سید گل تاریخی شخصیات گزرے ہیں ۔

مولانا محمد نبی محمدی رنگ و نسل اور صورت و سیرت کے لحاظ سے بہت بڑے بہادر سپہ سالار اور افغانستان کے قابل قدر مذہبی و سیاسی شخصیت ہیں ۔ درس و تدریس کے دوران علماء کو بیدار اور متحد کر کے ملک کے دفاع اور استحکام کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش میں تھے ۔ اس طرح انہوں نے روس کے ابتدائی خطرات کو محسوس کر کے پلِ خشتی کی جامع مسجد میں ظاہر شاہ حکومت کے غیر اسلامی اقدامات کے خلاف مظاہرے کا اہتمام کیا ۔ ظاہر شاہ نے اسے اپنے اقتدار کا خطرہ محسوس کر کے علماء پر تشدد کیا ۔ مسجد کو شہید کر دیا گیا ۔ پولیس نے جامع مسجد میں مقیم علماء پر مجلس شوریٰ پر حملہ کر دیا اور تشدد کے نتیجہ میں جامع مسجد کے علماء خون سے سرخ نظر آ رہے تھے ۔ اسی طرح ایک عظیم الشان احتجاجی مظاہرہ غزنی میں کیا گیا وہاں بھی سینکڑوں علماء کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا ۔ ان حالات کے پیشِ نظر مولانا محمد نبی نے وقتی تقاضا کے پیشِ نظر عوام کے مطالبہ پر ظاہر شاہ دور کی پارلیمنٹ کے لئے الیکشن لڑا ۔ اور اول خلقی مزاج حریف لیڈر فاروقی کو بری طرح شکست دے دی ۔ اس وقت الیکشن قبائل اور قومیت علاقیت کی بنیاد پر تھا اس لئے مختلف سیاسی جماعتیں جن میں خلق پارٹی - پرچم - ستم ملی - شعلہ - افغان ملت ، مساوات وغیرہ شامل تھیں - الیکشن میں حصہ لے سکتے تھے جب کہ روس کے اشارے پر بعض مختلف جماعتیں اس طرح کامیاب ہوا کرتی تھیں ۔ مولانا محمد نبی محمدی نے اسمبلی کا ممبر منتخب ہو کر حزب اختلاف کی قیادت سنبھال لی ۔ اس وقت اسمبلی کے اندر حزبِ اقتدار کے لیڈر حفیظ اللہ امین (موجودہ وزیر اعظم و وزیر داخلہ) اور مشہور خلق مزاج لیڈر ببرک کرمل کے ساتھ سیاسی محاذ آرائی اور جنگ جاری رہی ۔ ان حالات کو دیکھ کر حکومت نے علماء کو سیاست سے دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی ۔ اس لئے علماء کی کوئی منظم جماعت سامنے نہیں آ سکتی تھی ۔

اس وقت علماء و مشائخ کی حضرت مولانا مجددی ملا شور بازار - گل جان آغا پر مشتمل ایک شوریٰ امارت کے فرائض سر انجام دیتے تھے ۔ سردار داؤد کے دور میں بھی پہلے سے کہیں زیادہ علماء پر تشدد کیا گیا ۔ علماء کے اجتماعات پر گولی چلائی گئی اور متعدد علماء کو شہید ، اور زندان میں ڈال دیا گیا ۔ سردار داؤد کے دور میں جمعیت علماء اسلام کے نام سے ایک خفیہ تنظیم علماء نے قائم کر لی ۔ لیکن حکومت نے جلد ہی اس کو کالعدم قرار دے کر سرگرم رہنماؤں کو گرفتار کر لیا جن میں سے بعض اب تک لاپتہ ہیں ۔ اس کے بعد مولوی نصر اللہ کی صدارت میں اتحادیہ علماء اسلام کی تنظیم بنائی گئی اس وقت نرہ کیٔ انقلاب کے ذریعے برسرِ اقتدار آ گئے ۔ تو جملہ اسلامی تنظیموں نے متحد ہو کر عہد کر لیا اور حرکت انقلاب اسلامی کا قیام عمل میں لایا گیا ۔ مولانا محمد نبی محمدی اس کے سربراہ منتخب ہوئے لیکن بعد میں بعض تنظیموں نے حرکت سے علیحدگی اختیار کر لی ۔ حرکت انقلاب اسلامی کے پلیٹ فارم پر افغانستان کے علماء ، طلباء ، وکلاء حکومت کے

خلاف باغی سابق فوجی اور عوام کے ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والوں کی کثیر تعداد شامل ہے۔ تنظیم کے مجاہد ورکر اپنے اپنے علاقوں میں کامیابی کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں۔ سینکڑوں ورکر اس جہاد میں شہید ہوئے ہیں جب کہ پچاس ہزار سے زائد سیاسی قیدی قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں حکومت کے مظالم سے تنگ آکر پچاس ہزار سے زائد مہاجرین پاکستان ہجرت کر آتے ہیں۔ جملہ اسلامی ممالک اور مسلمانوں کو افغانستان کی مسلم آزادی کے بقاء کی عملی جدوجہد میں شریک ہوکر مکمل تعاون کی ضرورت ہے۔ حرکت کے سربراہ مولانا محمد نبی محمدی ہجرت کر کے پشاور میں مقیم ہیں جب کہ جنرل سکریٹری خفیہ طور سے محاذِ جنگ پر مصروف کار ہیں۔

حزب اسلامی کمیونسٹوں سے برسرپیکار ایک مضبوط جماعت حزب اسلامی کا وہ گروپ ہے جو پکتیا اور گردیز کے محاذ پر فتوحات کے ساتھ بڑھتا جا رہا ہے۔ اس جماعت کے سربراہ جناب مولانا محمد یونس خالص صاحب اور روحِ رواں اور ہر محاذ پر خود مجاہدین کی کمانڈ کرنے والے مولانا جلال الدین حقانی ہیں، اوّل الذکر اور حزب اسلامی حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کے ابتدائی اور قدیم تلامذہ میں سے ہیں۔ حضرت جب اپنی گھر کی مسجد میں پڑھاتے تھے اس زمانہ میں حضرت سے مولانا یونس خالص پڑھتے رہے۔ اسی طرح حضرت مولانا جلال الدین حقانی تو حضرت شیخ الحدیث کے خاص الخاص تلامذہ میں سے ہیں۔ روحانی اور دینی تعلیم کے لئے سالہا سال حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں رہے۔ اور دارالعلوم حقانیہ سے فارغ ہوئے ان کے ساتھ تقریباً ہر محاذ اور پلٹن کے سربراہ بھی دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء میں سے ہیں۔

گرمی کی شدّت سے نہ گھبرائیے
رُوح افزا سے راحت پائیے
گرمیوں کی تند و تیز، مرطوب ہوائیں ہمیں بے جان اور بے حال بنا دیتی ہیں، لیکن موسم کی شدّت کو رُوح افزا کے استعمال سے اعتدال پر ضرور لایا جا سکتا ہے۔
رُوح افزا جسم و جان کو ٹھنڈک پہنچا کر تپش اور لُو کے مضر اثرات سے محفوظ رکھتا ہے۔ کھوئی ہوئی توانائی بحال کرتا ہے اور پیاس بجھاتا ہے۔
اس کا ذائقہ اور تاثیر دونوں اپنی جگہ لاجواب ہیں۔
پاکستان کے گرم ترین مقامات میں
سرفہرست
رُوح افزا
ہمدرد
Adarts
HRA-3/79

ارشادات حضرۃ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

ضبط و ترتیب
ادارۂ الحق

ختمِ بخاری شریف

۲۳ رجب کو دار الحدیث میں بخاری شریف کی آخری حدیث پڑھ کر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے حسب ذیل ارشادات سے حاضرین اور فارغ ہونے والے فضلاء کو نوازا اس تقریر کو مولانا محمد ابراہیم مردانی مدرس دار العلوم نے مرتب کیا۔

" ادارہ "

امابعد فان اصدق الحدیث کتاب اللہ واحسن الھدی ھدی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وشر الامور محدثاتھا وکل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار۔ وبالسند المتصل الی الامام الحافظ امیر المؤمنین فی الحدیث ابی عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراھیم بن مغیرۃ۔ باب قول اللہ عزوجل ونضع الموازین القسط لیوم القیامۃ وان اعمال بنی آدم یوزن...

...کلمتان حبیبتان الی الرحمٰن۔ الحدیث۔

محترم بزرگو! جس وقت میری صحت اچھی تھی تو ختم یا افتتاحِ بخاری کے وقت کچھ معروضات پیش کرنا تھا۔ الحمدللہ کہ حدیث مبارک کے پاک الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے ہیں: سبحان اللہ وبحمدہٖ ——— سبحان اللہ العظیم۔ یہ دو کلمے ہیں کہ رحمان کو جس کی صفت رحمانیت ہے یہ کلمات ان کو بہت قریب ہیں۔ ان کا پڑھنے والا بھی رحمان کے نزدیک بہت محبوب ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔ یہ دو کلمے ہیں بمعنی کلام ہے یا کلمتان ظاہر یہ ہے۔ اگرچہ اور بھی توجیہات ہیں اللہ ہر عیب سے پاک ہے۔ اور ہر صفتِ کمال کے ساتھ متصف ہے، اللہ عظمت و بزرگی کا مالک ہے جتنی بزرگیاں عالم میں ہیں مخلوقات میں ہیں، یہ تمام منجانب اللہ ہیں، مخلوقات کا کچھ بھی نہیں ہے۔ بخشش و مغفرت اسکو محبوب ہے۔ جب اللہ کو یہ دو کلمے محبوب ہیں تو جب پڑھنے والا اس کا نماز کے بعد یا ویسے راستہ میں جاتے ہوئے پڑھا کرے تو یہ شخص بھی اللہ کو محبوب ہوگا۔ یہ کلمات میزان میں بہت بھاری ہوں گے۔ وزن میں بھاری ہوں گے۔ آپ نے وہ حدیث پڑھی ہے کہ ایک قرطاس پر لاالہ الااللہ ہوگا وہ میزان میں قیامت کے دن ڈالا جائے گا۔ دوسرے پلڑے میں کتابوں کی بڑی بڑی جلدیں رکھی جائیں گی مگر وہ اس پر بھاری ہوگا، اسی طرح یہ سبحان اللہ وبحمدہٖ ہے۔ اس کا وزن قیامت کے دن بھاری ہوگا۔ انسان کے تمام اعمال قول ہو یا

فعل ہو وہ تو سے جائیں گے۔ انسان جو تلفظ کرتا ہے یہ انسان کا فعل ہے۔ تو یہ بھی تولا جائے گا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ملفوظ بہرحال خود ہو لیکن تلفظ اس کا اس کے ساتھ تعلق ہے۔ یہ حادث ہے وارد حادث ہوتا ہے۔ اور مورود بہرحال خود قدیم ہوتا ہے۔

ثقیلتان فی المیزان خفیفتان علی اللسان۔ بہت آسان ہیں زبان پر یعنی ان کی ادائیگی زبان پر بہت آسان ہے۔ قراء کے نزدیک اسکی جو ادائیگی ہے وہ بہت آسان ہے۔

محترم بھائیو! سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ یہ بخاری کی آخری حدیث ہے بخاری شریف وہ کتاب ہے کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ البخاری۔ قرآن وحی متلو ہے اور بخاری و دیگر کتب احادیث وحی غیر متلو ہے۔ وحی دونوں ہیں۔ قرآن وحی متلو ہے جس کے معانی مضامین ترتیب الفاظ کا مرتب اللہ تعالیٰ خود ہیں تو وہ قدیم اور متلو ہے۔ اور نماز میں اس کے پڑھنے سے نماز درست ہے۔ اور وحی غیر متلو کے معانی مضامین من جانب اللہ ہیں لیکن ترتیب والفاظ پیغمبر کے ہوتے ہیں، اب روایات میں جس کو ہم دین کہتے ہیں جو کہ پیغمبر سے نقل ہے۔ آج ہم تک دین پہنچا ہے۔ امام بخاریؒ تک پہنچا ہے۔ اور مصنفین تک پہنچا ہے۔ تو امام بخاریؒ نے وہ تمام شرائط اپنی کتاب کے اندر ملحوظ رکھی ہیں۔

ما رواہ عدل تام الضبط بسند متصل خالیاً عن الشذوذ والعلۃ۔ یہ کہ راوی وشاگرد واستاذ کے مابین ملاقات صحیح سے بھی تو معلوم ہوتا ہے اگرچہ ایک دفعہ ملاقات ہو لیکن علماء نے تتبع کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نہیں طویل الملازمۃ مع الشیخ ہو۔ ہر شاگرد اپنے شیخ کے ساتھ طویل الملازمۃ ہو۔ امام مسلمؒ بھی یہ کہتے ہیں کہ ما رواہ عدل تامُ الضبط بسندٍ متصلٍ خالیاً عن الشذوذ والعلۃ۔ لیکن امام مسلمؒ امکانِ ملاقات استاذ شاگرد میں کافی سمجھتے ہیں جب دونوں ہم عصر ہوں۔ اگر ملاقات انکی یقیناً ثابت نہیں لیکن ہم عصر ہیں امکانِ ملاقات موجود ہو تو اس کو اتصال پر حمل کرتا ہے۔ اور اس کا اندراج کرتا ہے۔

بہر تقدیر بخاری شریف تمام صحاح اور تمام احادیث کی کتب میں اصح الکتب بعد کتاب اللہ۔ اور بخاری یہ وہ کتاب ہے کہ امام محمد بن احمد مروزیؒ ایک عالم اور بہت بڑے محدث ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں مکہ میں رکن اور مقام ابراہیمؑ کے مابین بیٹھا تھا کہ مجھ پر غنودگی سی طاری ہوگئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ بے حد خوشی حاصل ہوئی کہ یا اللہ مجھے یہ موقع ملا۔ حضورؐ نے مجھے فرمایا کہ اے مروزی تم شافعیؒ کی کتاب کب تک پڑھو گے۔ تا کے اسکو پڑھو گے۔ میری کتاب کیوں نہیں پڑھتے۔ محمد بن احمد مروزی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ آپ کی کتاب کونسی ہے۔ تو انہوں نے فرمایا: الجامع الصحیح البخاری۔ امام بخاریؒ کی کتاب جامع صحیح آٹھ انواع حدیث اور اقسام پر مشتمل ہے۔ تو حضورؐ نے اس کو اپنی کتاب کہا۔ اپنی طرف منسوب کیا۔

یہ کتنی بڑی شرافت ہے۔ کتنی بڑی عظمت اور عزت ہے۔ ٹھیک ہے قول فعل تقریر وقوف احادیث میں یہی بیان ہوتا ہے۔ لیکن صحیح سند کیساتھ جو بیان امام بخاریؒ نے کیا ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں اپنے ایک غلام محمد بن احمد مروزی کو فرماتے ہیں کہ تم کب تک امام شافعیؒ کی کتاب پڑھوگے۔ میری کتاب کیوں نہیں پڑھتے۔ تو یہ یقینی شے ہے۔ آپ نے شمائل میں پڑھا ہے۔ من رآنی فی المنام فقد رآنی یا فقد رای الحق۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس نے خواب میں دیکھا وہ بالکل صحیح ہے۔ اللہ نبوت کا حافظ ہے۔ خواب اور بیداری میں شیطان آپ کا متمثل نہیں ہوسکتا۔ شکل پیغمبر میں نہیں آسکتا۔

میرے محترم بھائیو! بخاری کا مقام اتنا بلند ہے۔ تقریباً چھ لاکھ احادیث سے اس کا انتخاب ہوا ہے۔ غالباً سات ہزار دو سو چوہتر (۷۲۷۴) احادیث غالباً امام بخاریؒ نے چھ لاکھ سے انتخاب کرکے اس میں جمع کی ہیں۔ اس میں اگر تعلیقات شمار کی جائیں تو نو ہزار بنتی ہیں۔ کچھ اوپر۔ اور اگر اس سے مکررات نکالے جائیں تو چار ہزار سے بھی کم بنتی ہیں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ کتاب اس بڑے ذخیرے سے جو کہ میرے پاس ذخیرۂ احادیث تھا یہ میں نے اس سے منتخب کیا ہے۔ سولہ سال میں اس کو مکمل کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ امام بخاریؒ جیسے حافظے کا مالک کہ ابھی بچپن کی عمر ہے، درس حدیث میں شمولیت کرتے ہیں۔ پرانے زمانے میں درس حدیث جہاں ہوتا تھا۔ اس میں مسلمانوں کا جم غفیر جمع ہوجاتا تھا۔ چار چار ہزار افراد امراء وزراء اور دولتمند جب ان کو یہ پتہ چل جاتا تھا کہ فلاں جگہ احادیث کا بیان ہوتا ہے۔ فلاں جگہ بخاری کا ختم ہے جیساکہ آج ہمارے معزز مہمان شاید انہوں نے اخبار میں دیکھا ہوگا۔ اس شوق سے اس گرمی میں آپ کے ملاقات اور بخاری کی ایک حدیث سننے کیلئے آئے ہیں۔ تو اس زمانے میں یہ عام جذبہ تھا۔

—— تو امام بخاری دس بارہ سال کے ہیں کہ درس میں شامل ہوئے تھے۔ طلباء ان پر ہنستے تھے، کہ جاؤ کھیلو، آپ اس درس میں کیا کرتے ہیں۔ پھر آپ تو لکھتے بھی نہیں۔ آپ کو کیا فائدہ ہوگا۔ تو آپ نے درس کے ساتھیوں کو آواز دی کہ آؤ سن لو۔ میں نے سولہ دن شرکت کی ہے اس درس میں اس میں کتنی احادیث ہوئی ہیں۔؟ دس پندرہ ہزار احادیث ہوتی تھیں۔ اب جو طریقہ ہے درس حدیث کا اس میں لفظی تحقیق، فقہی تحقیق، صرف نحوی تحقیق یہ تمام اس میں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ہم عجم ہیں اور ہماری زیادہ تر مناسبت اور الفت عربی کے ساتھ نہیں۔ مگر وہ تصحیح سند کیا کرتے تھے۔ اتصال سند کیا کرتے تھے، اسے سرد الحدیث کہا جاتا ہے۔ اسناد یا تکرار عبارت حدیث پڑھتے تھے اور اس کو سنتے تھے کہ ہمارا اس حدیث میں حضور اقدسؐ کے ساتھ اتصال آجائے۔ آج میں کہتا ہوں کہ حدثنا اور رسول اللہؐ سے نقل کرتا ہوں۔ تو میں نے حضورؐ سے کہاں سنا ہے۔ میرے اور حضورؐ کے درمیان تو چودہ سو سال ہیں۔ تو درمیان میں رواۃ ہیں، استاذ ہیں۔ عن یا حدثنا

جو لاتے ہیں یہ رواۃ وسائط ہیں اس لئے کہ دریا سے جب آپ اپنے کھیت کو پانی لاتے ہیں تو ندی کھودتے ہیں، نہر کھودتے ہیں تب اس ندی میں پانی آتا ہے۔ اور اس سے کھیت سیراب کرتے ہیں۔

تو اللہ کا علم وحی آپ سے جبرئیل کو جبرئیل سے رسول اللہ کو اور آپ سے حضرۃ ابوبکر صدیق اور دیگر ایک لاکھ دس ہزار کم وبیش صحابہ کرام موجود جنہوں نے رؤیت کی ہے، جنہوں نے مجلس میں شرکت کی ہے۔ اور ان سے نیچے جو رواۃ ہیں الی یومنا ھٰذا۔

تو میرے محترم ساتھیو! پندرہ ہزار احادیث سولہ دن میں ہوئی تھیں اور امام بخاری نے فرفر انکو سنا دیں۔ اللہ کو یہ منظور ہے کہ یہ قرآن محفوظ رہے۔ اور احادیث بھی محفوظ رہیں۔ ورنہ اس دورِ فتن میں جس دور سے ہم گزر رہے ہیں اس سے پہلے دور انگریزوں کا گزر چکا ہے، جو قرآن وحدیث دنیا سے مٹانا چاہتے تھے۔ اس قرآن وحدیث کا ایک حافظ ایک طالب اور ایک محب بھی نہ ہوتا، نہ یہ مدارس ہوتے اور نہ یہ طالب علم ہوتے اور نہ یہ ہمارے ممبران صاحبان اور چندہ دہندگان ہوتے اور نہ طلباء کے سرپرست اور طلباء سے محبت رکھنے والے، ان میں سے ایک بھی نہ ہوتا۔ لیکن اللہ جل مجدہٗ کو یہ منظور تھا۔ کہ یہ قرآن مجید محفوظ رہے۔ اس کے لئے چودہ لاکھ سے زیادہ حفاظ پیدا کئے اور اللہ کو یہ منظور تھا کہ یہ حدیث محفوظ رہے۔ تو ہزاروں کی تعداد میں اللہ نے حدیث کے فہم اور دفاع کیلئے افراد پیدا کئے۔ اس کے خادمان پیدا کئے اس کے یاد کرنے والے پیدا کئے۔ اس کی اشاعت کرنے والے پیدا کئے اور اس پر جانی ومالی قربانی دینے والے پیدا کئے۔ ہر قسم جان نثاری کرنے والے پیدا کئے۔ اور یہ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ پرانے زمانے میں جب ایک پیغمبر ہوتا تھا تو اس کے تشریف لے جانے کے بعد دوسرا پیغمبر آتا تھا۔ تو وہ حدیث یا وہ کتاب متغیر اور متبدل ہوتا تھا۔ حضورِ اقدس ؐ کے بعد تو قیامت تک دوسرا پیغمبر نہیں۔ تو قرآن واحادیث اللہ نے محفوظ کئے۔ تو امام بخاریؒ نے پندرہ دن تک روزانہ ایک ہزار احادیث یاد کیں۔ اور یہ اس وقت دس گیارہ سال کا بچہ تھے۔

تو زمانہ شیخوخت اور کہولت میں کیا حالت ہوگی۔ بیکندی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک دوست مہمان آیا، حدیث کا سبق ہو رہا تھا، جب طالب علم چلے گئے تو بیکندی نے ان کو کہا کہ اگر تم ذرا پہلے آتے تو میں آپ کو ایک طالب علم دکھاتا کہ ابھی تک اس کی داڑھی نہیں آئی ہے۔ اس کو ستر ہزار احادیث یاد ہیں۔ اور ہمیں ایک بھی حدیث یاد نہیں۔ لیکن ہمارے لئے اللہ جل جلالہ نے جب سینہ کا حفاظت نہ ہوا، دماغ سے حفاظت نہ ہوا۔ تو کاغذمیں اور کتابوں میں حفاظت کا انتظام کیا طالب علم کے بغل میں بخاری ہے۔ پرانے زمانے میں ایسا نہ تھا۔ بہر تقدیر امام بخاریؒ کا طالب علمی کے زمانہ میں فہم اور حافظہ تھا۔ اور

یہ ذکاوت تھی ، اور آپ جب کتاب بخاری کی تالیف و ترتیب کرتے ہیں ۔ تو سولہ سال میں ۔ ہم تو تین چار مہینے میں اسکو ختم کر دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم کو سب کچھ آگیا ۔ عالم فاضل ہو گئے ۔ جب سولہ سال میں آپ نے احادیث اور تراجم باندھے ہیں اور جمع کئے ہیں تو اگر ہم ساٹھ سال تک اس کو بار بار غور سے پڑھیں تب بھی حق ادا نہ ہوگا ۔ اساتذہ نے تو ہم کو ایک طریقہ بتلایا کہ حدیث سے مسئلہ ایسا نکلتا ہے ، اور تراجم الابواب میں ان کو اشارہ ہے ۔ لیکن آگے اب یہ ہمارا اور آپ کا کام ہے کہ ہم اس پر غور کرتے رہیں ۔

بہر تقدیر بھائیو ! امام بخاریؒ جب یہ کتاب لکھتے تھے تو ہر حدیث کے لئے غسل فرماتے ، پھر عطر لگاتے ، پھر اس کے بعد دو رکعت استخارے کے نفل ادا فرماتے اور مکہ معظمہ میں جب ہوتے تو ابواب اور تراجم مقامِ ابراہیم کے پاس لکھتے ۔ دو رکعت پڑھتے پھر مراقبہ ہوتے اس کے بعد اندراج کرتے ۔ حدیث کا اندراج اس طریقہ سے ۶ لاکھ احادیث سے انتخاب ہوا ۔ اس کتاب کو اللہ جل مجدہٗ نے بہت شانِ مقبولیت دی ہے ۔

حدیث و قرآن کی برکات و انوار جہاں پر حدیث اور قرآن پڑھایا جاتا ہو تو وہاں پر انوار و برکات نازل ہوتے ہیں جہاں قرآن مجید پڑھایا جاتا ہو اس جگہ سے انوار شعاعِ شمس کی طرح نکلتے ہیں ، سورج کی طرح شعاع قاری اور سامع پر پڑتے ہیں ۔ اور جہاں حدیث پڑھائی جاتی ہے وہاں انوار چاند کی مانند شعاع گرتی ہیں اسی طرح شعاع حدیث مبارک جس مجلس میں ہوں ، اور حدیث کے پڑھاتے وقت ہوتی ہیں ۔ حضرۃ شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ صوفی اور بہت بڑے عالم گزرے ہیں ، انہوں نے وصیت کی کہ جب موت کا وقت آئے تو اپنے شاگردوں سے فرمایا ۔ کہ آپ بخاری شریف کی احادیث میرے سامنے تلاوت کرتے رہیں ۔ میری نزع کے وقت احادیث کی تلاوت شروع کریں ۔ تو میرے ذہن میں اس وقت یہ بات آئی کہ آپ نے کہا کہ میرے پاس حدیث کی تلاوت کریں اور یہ نہ فرمایا کہ قرآن کی تلاوت کریں تو فوراً میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ قرآن پاک کی تجلیات جلالی ہیں ۔ جلالی شعاع ہیں ! اور حدیث کی تجلیات جمالی ہیں وہ شعاعِ قمر کی طرح ہیں ۔ اور حالتِ نزع میں جمال کی ضرورت زیادہ ہے ۔ اس لئے کہ یہ سخت وقت ہے ۔ خیر جو بھی لطیفہ ہو مجھے اس کا کوئی خاص علم نہیں ۔ ویسے میرے ذہن میں یہ بات آئی ۔

طلب علم کی راہ کا اجر بھائیو ! یہ آپ تمام اور خاصکر اس وقت جو مہمان آئے ہیں گاؤں سے تو بھائیو حدیث ہے کہ من سلك طريقاً يطلب فيه علماً سهل الله له طريقاً الى الجنة ۔ (الحدیث)

کہ جس نے علم کے لئے راستہ طے کیا، علم کے راستہ پہ چلا، اس دار العلوم کو آئے، اپنے کمرے سے آیا، اپنے گھر اور دکان سے آیا۔ اپنے گاؤں سے آیا۔ کماً کیفاً جیسا بھی ہو۔ اس نے سلوک طریق کیا۔ تو اللہ اس پر جنت کا راستہ آسان کر دے گا۔ آپ تو ہر روز اور آج ہمارے یہ مہمان بھی اس وقت تمام طالب علم ہیں بخاری شریف کے اور بخاری کی آخری حدیث کے۔ اللہ جنت کا راستہ ان تمام کیلئے آسان کر دے۔

حدیث کے پڑھتے وقت انوار اور برکات نازل ہوتی ہیں۔ قرآن کے پڑھتے وقت انوار و برکات نازل ہوتی ہیں۔ جہاں بخاری کا ختم ہوتا ہے یا ہو جائے وہاں بہت سے مصائب دور ہو جاتے ہیں۔ طاعون جیسی وبا اور بہت سی بیماریاں اللہ تعالیٰ ختم بخاری کی برکت سے دور کر دیتا ہے۔ جب بارش نہیں ہوتی اور ختم بخاری ہو جائے تو اللہ تعالیٰ باران رحمت نازل فرماتے ہیں۔ شیخ جمال الدینؒ فرماتے ہیں کہ میرے استاد شیخ اثیر الدین فرماتے ہیں کہ: میں نے ۱۲۰ دفعہ ختم بخاری شریف کیا اور اللہ نے مجھ کو مقاصد میں کامیابی دی اور اللہ نے میری مشکل حل فرما دی۔ پھر خاصکر احادیث کیلئے جنہوں نے تکلیف اٹھائی، بھائیو آج آپ بہت خوش ہیں۔

صحابہؓ کا ذوق حدیث حضرت ابوایوب انصاریؓ نے دس سال حضورؐ کی خدمت کی ہے حضورؐ کے خادم حاضر باش ہیں مگر آپ نے جب حضورؐ کے وصال کے بعد سنا۔ کہ مصر میں ایک صحابی ہے۔ اس کے پاس ایک حدیث ہے۔ جو کہ میں نے اپنے کانوں سے نہیں سنی ہے۔ تو علو سند کیلئے حضرت ابوایوب انصاریؓ مدینہ منورہ سے مصر روانہ ہونے ہیں۔ چالیس دن کا سفر طے کرتے ہیں۔ پیدل سفر کیا کہ میں مدینہ منورہ سے ایک حدیث کیلئے آیا ہوں۔ جو آپ کے پاس ہے۔ سنا دیجئے تاکہ میری سند متصل اور عالی ہو جائے۔ انہوں نے آپ کو وہ حدیث بیان کی اللّٰہ فی عون العبد ما دام العبد فی عون اخیہ۔ اللہ اس وقت تک اپنے بندہ کی امداد کرتا ہے جب تک بندہ دوسرے بندوں کی مدد کرتا رہے۔ تم دوسرے بندوں کی مدد کرو۔ دوسرے انسان کی مدد کرو۔ اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ تم اپنے آپ کو بھوکا رکھو، پیاسے رہو۔ اپنے آپ پر تکلیف اٹھاؤ اللہ جل جلالہ آپ کی تمام ضروریات پوری کریں گے

محترم بھائیو! طالب علم کیلئے ملائکہ اپنے پر بچھاتے ہیں۔ اور طالب علم کس کو کہتے ہیں۔ آپ تو اصطلاحی طالب علم ہیں اور جو ہمارے بزرگ ہیں ہمارے ساتھ امداد کرتے ہیں، ہم سے محبت کرتے ہیں۔ ہمارے لئے گھروں سے آتے ہیں۔ یہ بھی طالب علم ہیں، ان کے لئے بھی ملائکہ پر بچھاتے ہیں احترام کے طور پر انکے لئے بھی یہ خوشخبری ہے۔ من سلک طریقاً یطلب فیہ علماً سھل اللّٰہ لہ طریقاً الی الجنۃ۔ آپ تقریباً سو ڈیڑھ سو طلباء نے ختم بخاری کیا تو یہ گویا تقریباً ڈیڑھ سو ختم جمع ہو گئے۔ تو آپ کی دعائیں اپنے حق

اپنے والدین اور ہمدردوں کے حق میں اپنے خیر خواہوں کے حق میں اور دین کے خادموں کے حق میں بھی اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں گے ہم یہ امید رکھتے ہیں کہ اللہ بہت مہربان ہے۔ وہ ہمارے نقائص کو نہیں دیکھتے۔ بہر تقدیر بھائیو! مختصراً عرض ہے کہ میرا تو بیماری کی وجہ سے کوئی خاص حصہ خدمت کا اس سال بدقسمتی سے نہیں۔ اور التجا کرتے ہیں، امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس خدمت پہ دوبارہ کامیاب و سرفراز فرمائے۔

سند حدیث بہر تقدیر بخاری شریف میں نے حضرت شیخ الاسلام والمسلمین مجاہد اعظم حافظ الحدیث صدر المدرسین بدار العلوم دیوبند حضرت مولانا وبالفضل اولٰنا حضرۃ مولانا حسین احمد صاحبؒ سے پڑھی ہے۔ بخاری شریف اور ترمذی کا زیادہ حصہ حضرۃ مدنیؒ سے دیوبند میں پڑھا ہے۔ حضرۃ مدنیؒ حدیث کے امام تھے حافظ الحدیث تھے، اور صاحب الکرامات تھے، ولی اللہ تھے۔ ان کی کرامت کی بڑی نشانی یہ ہے کہ اس پاکستان میں تقریباً جتنے مدارس ہیں ان میں آپ کے تلامذہ ہی خدمت دین میں مشغول ہیں اور دین کی اشاعت کرتے ہیں۔ حضرۃ مدنیؒ مدینہ طیبہ میں درس حدیث دیتے تھے، ان کو معلوم ہوا کہ ان کے استاد حضرۃ شیخ الہندؒ گرفتار کئے گئے تو اس وقت کی حکومت کو کہا کہ جس دفعہ کے تحت آپ نے میرے استاد کو گرفتار کیا ہے۔ میں بھی اسی دفعہ کا مجرم ہوں۔ تو اپنے آپ کو ان کے ساتھ مالٹا کی جیل میں شریک کر لیا۔ حافظ ایسا تھا کہ بخاری شریف آپ کو متن سند کے ساتھ یاد تھی۔ لیکن اخفاء کیا کرتے تھے یہ ظاہر نہ کرتے تھے۔ کہ کسی کو معلوم ہو جائے۔ جس وقت بخاری پڑھاتے تھے۔ اپنے سامنے قسطلانی رکھتے تھے۔۔۔ وہ فرماتے تھے: خلق الانسان من عجل۔ آپ جو سبق پڑھاتے آپ کی تقریر تشریح آپ کی متانت آپ کی سنجیدگی میں فرق نہیں آتا تھا۔ بڑے اطمینان سے آپ حق حدیث ادا کرتے تھے۔

بہر تقدیر حضرۃ مولانا مدنی نے حضرۃ شیخ الہندؒ حضرۃ مولانا محمود الحسن جن کا قرآن پاک کا ترجمہ اردو میں بھی موجود ہے اور فارسی میں بھی ترجمہ شیخ الہند ہوا ہے بہت بڑا تبحر علمی اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا تھا۔ آزادی ہند میں آپ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ تو حضرۃ مدنیؒ نے بخاری شریف اور ترمذی شریف حضرۃ شیخ الہندؒ سے پڑھی ہے۔ یہ دیوبند کے پہلے طالب علم ہیں۔ استاذ کا نام بھی محمود ہے اور شاگرد کا نام بھی محمود حسن جو کہ آگے چل کر حضرۃ شیخ الہند ہو گئے۔

حضرۃ شیخ الہندؒ نے بخاری اور ترمذی حضرۃ مولانا محمد قاسمؒ بانی دار العلوم دیوبند سے پڑھی ہیں۔ حضرۃ مولانا محمد قاسمؒ بانی دار العلوم دیوبند پاکستان اور ہندوستان بلکہ اسلامی ممالک میں جہاں علوم دینیہ آپ دیکھتے ہیں جہاں علماء آپ دیکھتے ہیں جہاں پہ زمرۂ اہل حق ہے یہ تمام فیض حضرۃ مولانا محمد قاسم صاحب کا ہے

ان کا تمام وقت کچھ تو جہاد میں کچھ تدریس میں کچھ مناظروں میں گزرا۔ حضرۃ مولانا محمد قاسمؒ نے حضرۃ مولانا شاہ عبدالغنی مجددیؒ مہاجر مدنی سے بخاری اور ترمذی شریف پڑھی۔ اور ان سے اجازت لی ہے۔ یہ شاہ عبدالغنی مجددی شاہ ولی اللہ کے بیٹے نہیں بلکہ یہ حضرۃ مجدد الف ثانی کے نواسے ہیں اور مہاجر مدنی ہیں۔ حضرۃ مولانا شاہ عبدالغنی مجددیؒ نے بخاری اور ترمذی حضرۃ مولانا محمد اسحاق صاحبؒ سے پڑھی ہے۔ حضرۃ مولانا محمد اسحاق صاحب نے حضرۃ مولانا شاہ عبدالعزیزؒ سے بخاری و ترمذی پڑھی اور شاہ عبدالعزیز نے شاہ ولی اللہ سے اور حضرۃ شاہ ولی اللہ نے شیخ ابوطاہر مدنی اور شیخ ابو عبداللہ کی سے ایک استاد مکہ کے ہیں اور دوسرے مدینہ کے آپ نے ترمذی کی ابتداء میں شیخ ابوطاہر کا نام دیکھا ہے۔ اور بخاری کے خطبہ میں جو حاشیہ لگا ہے اس سند لکھا ہے۔ وہاں سے بخاری تک سند چلتا ہے۔ اور بخاری و ترمذی کے بعد سند حضور اقدس صلعم تک کتاب میں ہر حدیث کے متن سے پہلے مذکور ہے۔ حضورؐ نے عام طور سے حضرت جبرئیل علیہ اسلام سے لیا ہے۔ انہ لقول رسول کریم ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم آمین۔ اور حضرت جبرئیل نے اللہ جل مجدہ سے لیا ہے۔ تو آج جو حدیث آپ نے سنی اس کا سند اللہ تک پہنچا۔ کس سے ہم نے سنا؟ کون راوی ہے؟ کس سے یہ بات کرتا ہے کس سے نقل کرتا ہے۔ یہ سند ہے یہ اجازت حضرۃ مدنیؒ نے شفقت کی بناء پر دی اور اسے مقید کیا تھا کہ جب تک آپ کا یقین نہ آئے، کسی حدیث کا مطلب نہ پڑھائیں۔

زریں نصائح اس پر آپ مغرور نہ ہوں کہ میں نے دورہ پڑھ لیا میں تو فارغ ہوگیا، مولوی بن گیا۔ امام ابو حنیفہؒ اپنے فضلاء کو فرمایا کرتے تھے کہ آپ لا ادری پر ناراض نہ ہوں۔ کہ کوئی عیب نہیں کہ آپ سے شخص پوچھے کہ فلاں مسئلہ کیسا ہے؟ آپ کہہ دیں کہ لا ادری مجھے نہیں آتا۔ امام مالک سے چالیس مسائل کے بارے میں پوچھا گیا آپ نے چھتیس مسائل میں لا ادری فرمایا۔ تو جب تک تمہیں یقین نہ ہو۔ اس وقت تک یہ کہہ سکتے ہیں کہ لا ادری۔ تکلف سے اپنے آپ کو عالم نہ بنائیں۔ جب آپ نے مطالعہ کیا، شروح دیکھ لئے حواشی آپ نے دیکھ لئے تو اپنے ذہن ثاقب سے آپ پر مسئلہ واضح ہوا تب، تو اس کے بعد ہیں اور صحاح ستہ موطائین اور طحاوی شریف کی اجازت دی گئی تھی۔ وہ اجازت حضرۃ شیخ المکرمؒ کو اپنے اساتذہ اور شیوخ سے ملی تھی وہ انہوں نے ناچیز کو دی اور اب میری طرف سے آپ کو بھی اجازت ہے۔ آپ بڑی تحقیق کے ساتھ پڑھائیں۔ یہ وہن ہے تاکہ اس میں کسی قسم کی غلطی نہ آجائے۔

جتنا تقویٰ ہوگا، پرہیزگاری ہوگی اور دینداری ہوگی جتنا حزم اور احتیاط ہوگی اتنا ہی اللہ کا فضل آپ کا شامل حال ہوگا ——— آپ کا عزیز وقت میں نے لیا۔ میرا اتنا خیال نہ تھا۔ انشاء اللہ اب مل کر دعا کریں گے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

مولانا محمد یوسف خان ایم اے۔ فاضل دیوبند
ریسرچ اسکالر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

طٰہٰ حُسین

بحیثیت

ادیب اور ناقد

طٰہٰ حسین کی شخصیت اس پہلو سے دینی حلقوں میں نامقبول اور غیر پسندیدہ ہے کہ ان کی تصانیف کا اکثر حصہ عقائد اسلام اور حقائق دین کی مخالفت اور بیخ کنی پر مبنی ہے اور ظاہر ہے کہ ان کی اس طرح کی بے بنیاد موشگافیوں اہل دین کے طبقہ میں بار نہیں پاسکیں۔ ذیل کا مضمون طٰہٰ حسین کے ادب و تنقید کے ایک خاص پہلو سے بحث کرتا ہے۔ اس لئے ہم مضمون کی ادبی اور تنقیدی حیثیت کو سامنے رکھ کر اسے منظر عام پر لا رہے ہیں۔ طٰہٰ حسین کے مذہبی معتقدات کی تائید اس مضمون سے نہیں ہوتی۔ (ادارہ)

طٰہٰ حسین مصر کے ایک گاؤں میں ۱۸۸۹ء پیدا ہوئے۔ وہ اپنے والد کی ساتویں اولاد تھے۔ وہ اپنی عمر کے تیسرے سال میں چیچک کے عارضہ میں مبتلا ہو گئے۔ اور اس بیماری سے ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔ مگر قدرت نے اس کے بدلہ میں حافظہ اور ذہن کی تیزی عطا فرمائی۔ سب سے پہلے انہوں نے ایک مکتب میں قرآن پاک حفظ کیا۔ پھر بعض دوسری چیزیں حفظ کیں۔ بڑے ہوئے تو جامعہ ازہر بھیجے گئے۔ ان کے بڑے بھائی پہلے ہی سے وہاں زیر تعلیم تھے۔ لہذا دونوں ساتھ رہنے لگے۔ طٰہٰ حسین ازہر میں ادب اور دینیات دونوں کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ سید المرصفی ادب کے استاد تھے۔ ان سے خاص طور سے طٰہٰ حسین متاثر ہوئے۔ اپنی طالب علمی کی زندگی کا انہوں نے اپنی سوانح "الایام" میں اچھا نقشہ کھینچا ہے۔ ساتھ ہی اس دور کے ازہر کی تصویر پیش کی ہے اس زمانہ میں لطفی السید "الجریدہ" نکالتے تھے۔ طٰہٰ حسین نے اس رسالہ کا بھی خاصا اثر قبول کیا ہے۔ چنانچہ ان کے اندر حریت پسندی کے جذبات پیدا ہوئے۔ وہ بھی ازہر ہی میں تھے کہ اسلام کی تحریکوں نے مصری ماحول و زندگی دونوں کو تبدیل کرنا شروع کر دیا تھا۔ محمد بن عبدہٗ کی آواز ملک میں فکر و نظر کی دولت عام کر رہی تھی۔ معیاری تعلیم کا چرچا ہونے لگا۔ چنانچہ ۱۹۰۸ء میں جب قاہرہ یونیورسٹی قائم ہوئی تو طٰہٰ حسین نے بھی اسی میں داخلہ لیا۔ وہاں انہیں مستشرقین یورپ کے خیالات براہ راست سننے اور سمجھنے کا

موقع ملا اور یورپ کے طرز تنقید اور فکر و نظر سے وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ شب کے وقت فرانسیسی زبان بعض استادوں سے پڑھنے لگے۔ یہاں تک کہ اس قدر فرانسیسی سیکھ لی کہ اس زبان میں یونیورسٹی کے لیکچر بخوبی سمجھ سکیں۔ اس زمانہ میں ذریعۂ تعلیم فرانسیسی ہی تھا۔ تعلیم مکمل کر کے ریسرچ کی طرف متوجہ ہوئے۔ ابوالعلیٰ المصری پر ان کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ شائع ہوا۔ اس کتاب سے جس علمی انداز فکر اور تنقیدی شعور کا اظہار ہوتا ہے اس سے ان کی صلاحیتوں کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مقالے کی علمی و تنقیدی افادیتوں کا احساس کرتے ہوئے یونیورسٹی نے انہیں فرانس بھیج دیا۔ مگر اسی اثنا میں یونیورسٹی کے حالات بگڑ گئے۔ اس لئے صرف ایک سال بعد انہیں واپس آنا پڑا۔ دوبارہ جب یونیورسٹی کے حالات سازگار ہوئے ان کو پیرس روانہ کیا گیا۔ جہاں انہوں نے مختلف موضوعات پر یونیورسٹی کے لیکچر سنے اور یونانی اور لاطینی زبانوں کی تحصیل بھی کی۔ یہاں ایک فرانسیسی خاتون نے جس سے اثنائے درس تعارف ہوا تھا ان کی بڑی مدد کی۔ اور بعد میں وہ ان کی رفیقۂ حیات بن گئی۔ بقول طٰہٰ حسین۔ میری اس بیوی نے میرے فکر کی تونگری اور میرے یاس کو امیدوں سے اور بدبختی کو خوش قسمتی اور سعادت سے بدل دیا۔

فرانس میں انہیں یونانی ادب اور فلسفہ سے دلچسپی پیدا ہو گئی۔ اس بنا پر انہوں نے پی ایچ ڈی کا مقالہ "فلسفہ ابن خلدون الاجتماعیۃ کے نام سے لکھا۔ پیرس سے آکر انہوں نے قاہرہ یونیورسٹی میں اس موضوع پر بہت لیکچر دیئے جو یونانیوں کی ابتدائی علمی کاوشوں سے متعلق تھے۔ اس سلسلہ میں طٰہٰ حسین نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ وہ کثیر التصانیف ہیں۔

ادب و تنقید کا جائزہ طٰہٰ حسین جدید عربی ادب کے ممتاز صاحب فکر ادیب و ناقد ہیں انہوں نے بہت سے ادیب اور مصنف پیدا کر دیئے۔ ان کی تصانیف کی ضخامت اور ساتھ ہی فکر کی بلندی اور بے لاگ تبصرہ۔ تحقیق کی عظمت۔ تاریخ پر گہری نظر اور نفسیاتی انداز فکر نے ان کی تنقیدوں اور تحریروں کو ممتاز بنا دیا ہے۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین بحیثیت ادیب اور ناقد، محقق، ناول نگار صاحب طرز و انشار پرداز اور مورخ کے مشہور ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کے تمام پہلوؤں پر تنقید غالب ہے۔ فن تنقید میں ان کا امتیاز بھی ایک خاص وجہ سے ہے۔ وہ محض تنقید پر اکتفا نہیں کرتے۔ بلکہ ان کی تنقیدیں تخلیقی ہوتی ہیں۔ اور وہ تنقیدیں عربی اسلوب و طرز انشا کا بہترین معیار پیش کرتی ہیں۔ اسی بنا پر ان کی تمام تنقیدی تصانیف بھی ادبی چاشنی کی حامل نظر آتی ہیں اب یہ فیصلہ بڑا دشوار ہو جاتا ہے کہ فطری طور پر قدرت نے انہیں ادیب بنایا تھا یا ناقد۔ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ان کے یہ دونوں پہلو چولی دامن کی طرح پیوستہ نظر آتے ہیں وہ ایک بہت بڑے ناقد بھی ہیں اور ادیب بھی۔

گہرائی، روشن خیالی اور نظریاتی نقطۂ نظر ان کی تنقید کے بنیادی عناصر ہیں۔ جن کے بغیر وہ ایک قدم بھی آگے

نہیں پڑھتے ہیں وہ جب کسی ادیب کی شخصیت سے بحث کرتے ہیں تو اس کے تمام گوشوں کو بڑی گہرائی اور جامعیت کے ساتھ دیکھنے میں تمام سیاسی، سماجی، معاشی اور اجتماعی عوامل پر نظر دوڑاتے ہیں۔ اور یہ بھی ان کی نگاہ میں ہوتا ہے کہ ان عوامل کا شاعر یا ادیب کی ذات سے کیا تعلق ہے اور ان عوامل سے ادیب کا فن اور ادبی تخلیقات کس حد تک متاثر ہیں اور حالات کو عوامل کے مطالعہ سے کس حد تک اس کی شخصیت کے نقوش ابھرتے ہیں۔ سیاسی معاشی اور اجتماعی اسباب کس طرح ادیب یا شاعر کی شخصیت میں گھل مل کر اس کا ایک جزو لاینفک بن جاتے ہیں کہ اس سے الگ کر کے اس کی شخصیت بالکل ناقص اور نامکمل نظر آتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ طٰہٰ حسین پہلے عرب ناقد ہیں جنہوں نے عربی تنقید کو سائنٹیفک نقطۂ نظر عطا کیا ہے۔ اور مغرب کے طریقے، تجزیہ، تفتیش اور تحقیق کو نہ صرف کامیابی کے ساتھ اپنایا ہے بلکہ خود اپنی علمی تنقیدوں کا ایک عظیم ذخیرہ پیش کر کے عربی تنقیدوں کو مالا مال کر دیا ہے۔ اگر کسی ناقد نے عربی تنقید میں انقلاب برپا کیا اور ذوق نظر عام کر کے نئے نئے نظریات کو جنم دیا ہے اور فکر کو دعوتِ عام دی ہے کہ وہ آزاد خیالی کے ساتھ مسائل کے متعلق سوچیں اور ایک ناقدانہ اور تحقیقاتی نقطۂ نظر اختیار کر کے جمود و روایت پرستی کے جمود کو ہمیشہ کے لئے ترک کر دیں تو طٰہٰ حسین کی شخصیت ہے۔

تلاش و تحقیق اور جدت پسندی طٰہٰ حسین کی تنقید کی بنیادی خصوصیات ہیں وہ جب کسی مسئلے کو اٹھاتے ہیں تو اس سلسلہ میں اس دور کے جس کے متعلق وہ مسئلہ ہوتا ہے۔ تمام لٹریچر پر تنقیدی نظر ڈال کر اور بڑے گہرے تفکر کے بعد ایک نظریہ قائم کرتے ہیں۔ وہ اپنا تنقیدی مواد بڑے سلیقہ اور اثر انگیزی کے ساتھ پیش کرتے ہیں جس کے مطالعہ کے بعد پڑھنے والے کی نظر میں اس مسئلہ کی پوری تصویر بڑی وضاحت اور جامعیت کے ساتھ ابھر جاتی ہے۔ جو ناقد کی ژرف نگاہی کا بہترین ثبوت ہے۔

طٰہٰ حسین کے تنقیدی فکر کا منبع فرانسیسی ادب وطرز تنقید ہے پیرس جانے اور فرانسیسی ادب سے استفادہ کرنے سے ان کا طرز تحریر اور طرز فکر دوسرے نقادوں سے بدل گیا۔ خود ان کی شریک حیات فرانسیسی تھیں اس لئے زندگی اور اس کے مسائل کے بارے میں یقیناً انہیں ایک ایسے نقطۂ نظر اور طرز فکر سے واقفیت کا موقعہ ملا۔ جو ان کے عرب طرز فکر سے قطعاً مختلف ہے۔

ایک بات اور محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ نابینا ہونے کے باعث ہر وقت مطالعہ میں مشغول نہ رہ سکتے تھے۔ اس لئے وہ دوسروں سے پڑھوا کر جو کچھ سنتے تھے اس پر غور و خوض کرتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑے سے مواد سے وہ بہت سا فکری سرمایہ جمع کر لیتے ہیں۔ قوت فکر کی بیداری نئے پہلو تلاش کر لیتی ہے۔ اس میں غور و فکر کی ایک نئی دنیا آباد کر دیتے ہیں اور اس موضوع پر ایک مقام پیدا کر لیتے ہیں۔ وہ کسی شاعر پر تنقید کرتے وقت صرف ایک پہلو کو نہیں لیتے بلکہ اس کے دور کے پورے ڈھانچہ کا نقشہ کھینچتے ہیں۔ مثال کے طور پر ابو نواس

کوٹ کیجئے انہوں نے حدیث الاذکار میں ابونواس کی شخصیت اور اس کے ذہنی و اخلاقی کیفیات کا نقشہ کھینچا ہے۔ جو اپنی مثال آپ ہے اور اس ضمن میں عباسی دور، اخلاقی کردار اور سوسائٹی کے میلانات کو بھی پوری طرح واضح کیا ہے۔ ایسی مثال بھی پیش کی ہیں جو عام طور سے لوگوں کی نگاہ میں نہیں ہوتی ہیں مثلاً انہوں نے بتایا ہے کہ اس دور میں خلفاء سے لے کر شعراء اور علماء تک اخلاقی اعتبار سے بہت گرے ہوئے تھے۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ابین ایک استاد تھے اور ابین بہت خوبصورت تھا۔ ابونواس سے دوستی تھی۔ ابونواس نے کہا۔ کہ اس کو پیار کروں انہوں نے منع کیا کہ ایسا نہ کرنا ورنہ میری نوکری بھی جائے گی۔ اور خلیفہ ہم پر غضب ناک ہوں گے۔ ابونواس جب نہیں مانے تو استاد نے کہا کافی دنوں کے بعد تم آؤ تو میں تم سے معانقہ کروں گا۔ اس کے بعد تم ابین سے بھی معانقہ کر لینا۔ اور اس وقت پیار بھی کر لینا۔ چنانچہ ابونواس نے ایسا ہی کیا۔ علاوہ ازیں طٰہٰ حسین نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس دور میں باقاعدہ شراب کی محفلیں ہوتی تھیں اور شعر و شاعری کا بازار گرم ہوتا تھا۔ نیز مصنفوں اور شاعروں کا ایسا طبقہ تھا جس کا کام محض شاعری اور رقص و سرود تھا اور یہ گویا بے خودی کا اظہار تھا جس کی وجہ سے پوری سوسائٹی متاثر ہو رہی تھی۔ طٰہٰ حسین کی رائے میں اس سوسائٹی کا بہترین ترجمان ابونواس ہے۔ مگر یہ تصویر ایک رخی ہے چونکہ اس دور میں مذہبیت بھی اپنے شباب پر تھی غیر مذہبی عناصر کی شکست کی وجہ سے اور برے دفعات مل جاتے ہیں۔ اس لئے طٰہٰ حسین کا خیال غلو سے مبرا نہیں کہا جا سکتا ہے۔ (مسلسل دار العلوم دیوبند)

دارالعلوم حقانیہ میں دارالافتاء، مؤتمر المصنفین اور ماہنامہ الحق کے دفاتر کی نئی عمارت کا ایک گوشہ

فقہ اسلامی

مولانا اخوندزادہ عبدالقیوم حقانی (فاضل دارالعلوم حقانیہ)
مفتی و صدر مدرس مدرسہ اظہار الاسلام، چکوال۔

ہمارے عائلی قوانین

اجماع صحابہؓ، جمہور تابعین اور ائمہ اربعہ کا متفقہ فیصلہ — طلاق ثلاثہ

روزنامہ جنگ مجریہ ۱۵ مارچ ۱۹۷۹ء میں جناب صفدر کمال صاحب کی رائے دربارہ " طلقات ثلاث " شائع ہوئی جس میں " دفعۂ واحد " میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک رجعی طلاق ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔

احقر نے مسلکِ صحیح اور حق کی حمایت میں اکابر و اسلاف کی کتب سے درج ذیل دلائل و شواہد نقل کر کے ترتیب دیئے ہیں تاہم اگر کوئی صاحبِ علم مجھے میری غلطی پر اصلاح کر دے تو انشاء اللہ اپنی اصلاح میں پس و پیش نہ ہوگی۔

اصل مسئلہ زیر بحث تو تین طلاقوں کے تین واقع ہونے کا ہے۔ مگر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سرے سے دفعۂ واحد میں دی گئی تین طلاقیں واقع نہ ہوں گی کیونکہ یہ بدعت ہے اور بدعت کا وقوع کیسے؟ (بقولِ علامہ ابن حزم یہ مذہب روافض کا ہے) جب کہ دوسرا گروہ دفعۂ واحد میں طلقاتِ ثلاثہ سے صرف ایک رجعی طلاق واقع ہونے کا قائل ہے۔

اجماعِ صحابہؓ، جمہور تابعین اور ائمہ اربعہ کے نزدیک تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ اور اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے جو نصِ قرآنی، احادیثِ کثیرہ اور اجماعِ صحابہ سے مستفاد ہے۔ شروح حدیث، کتب تفسیر اور فقہ وغیرہ میں اس پر خاصا مواد موجود ہے۔

۱۔ علامہ ابو محمد بن حزم الظاہری نو نصِ قرآنی سے بیک وقت تین طلاقوں کو جائز قرار دینے کا استدلال کرتے ہیں (اگرچہ دفعۂ واحد میں طلقات ثلاثہ فقہ حنفی کے علاوہ امام اوزاعی اور امام مالک کے نزدیک بھی بدعت ہے۔

(شرح مسلم جلد اول صـ ۴۷۶)

ثم وجدنا بين حجة من قال ان الطلاق الثلث مجموعة سنة لا بدعة قول الله تعالى

فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ " فهذا یقع علی الثلث مجموعة ومفرقة ولا یجوز ان یخصص بهذہ الایة . بعض ذلك دون بعض بغیر نص

محلی جلد ۱۰ - صـ ۲۰۷

ترجمہ - پھر ہم نے ان لوگوں کو جو بیک وقت تین طلاقوں کو بدعت نہیں کہتے بلکہ سنت سمجھتے ہیں یہ دلیل پائی کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :" سو اگر اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو وہ اس کے لئے حلال نہیں تاوقتیکہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح نہ کرے۔ یہ مضمون ان تینوں طلاقوں پر بھی صادق آتا ہے ۔ جو اکٹھی ہوں اور ان پر بھی صادق آتا ہے جو متفرق طور پر ہوں اور بغیر کسی نص کے اس آیت کو تین یک جا طلاقوں کو چھوڑ کر صرف متفرق کے ساتھ مخصوص کر دینا صحیح نہیں ہے۔ گویا محض احتمال کی بنا پر نص کو مخصوص بالمتفرق کرنا بلا وجہ ہے نیز اس آیت سے قبل " الطلاق مرتٰن " کا ذکر ہے یعنی طلاقِ رجعی دو دفعہ ہے ۔ اس کے بعد یہ مذکورہ آیات حرف فا کے ساتھ لائی گئی - اور جب کہ حرفِ فا تعقیب بلا مہلت کے لئے آتا ہے ۔ جس کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ اگر دو طلاق کے بعد کسی نادان نے فی الفور تیسری طلاق بھی دے دی تو اب اس کی بیوی اس کے لئے حلال نہیں ۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ ظاہر قرآن دفعہ واحد میں بھی طلقاتِ ثلاثہ کے تین واقع ہونے پر دال ہے ۔

کتاب الام جلد ۵ صـ ۱۶۵

۲- بخاری جلد ۲ صـ ۷۹۱، مسلم شریف جلد اول صـ ۴۶۳ میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے :-

ان رجلاً طلق امراته ثلاثاً فتزوجت فطلق فسئل النبی صلی الله علیه وسلم اتحل للاول قال لا حتی یذوق عسیلتها کما ذاقها الاول

ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیں سو اس نے کسی اور مرد سے نکاح اس نے (ہمبستری سے پہلے) اسے طلاق دے دی ۔ حضورؐ سے سوال کیا گیا وہ عورت اپنے پہلے خاوند کے لئے حلال ہے تو آپؐ نے فرمایا نہیں جب تک کہ دوسرا خاوند اس سے ہم بستری نہ کر لے۔ اور لطف اندوز نہ ہو جائے ۔

اس حدیث میں " طلق امراتہ ثلاثاً " بظاہر اس امر پر دال ہے کہ یہ تین طلاقیں یک جا اور دفعۃً دی گئی تھیں ۔

(فتح الباری جلد ۹ صـ ۲۹۵ - عمدۃ القاری جلد ۹ صـ ۵۳۷)

۳- بخاری جلد دوم صـ ۷۹۱، مسلم شریف جلد اول صـ ۴۸۹ حضرت عویمر العجلانی کا واقعہ ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم صادر فرمانے سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں اور آپؐ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی اگر دفعۃً واحدۃً تین طلاقیں ناجائز اور قطعاً حرام ہوتیں تو آپؐ ہرگز خاموشی نہ اختیار فرماتے ۔ گویا آپؐ کا سکوت اور عدم

۴۔ مدینہ منورہ میں ایک مسخرہ مزاج آدمی نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاق دی اور اس کا معاملہ حضرت عمرؓ کے پاس آیا تو

فعلاہ عمر عنہ بالدرۃ وقال ان کان لیکفیلک الثلاث — تو حضرت عمرؓ نے درہ سے اس کی مرمت کی اور کہا کہ تجھے تو تین طلاقیں کافی تھیں۔

(سنن الکبری ج ۷ ص ۳۳۴)

گویا حضرت عمرؓ نے ہزار طلاقوں میں سے تین کے وقوع کا حکم فرمایا

۵۔ عن علی فیمن طلق امرأتہ ثلاثا قبل ان یدخل حتی تنکح زوجاً غیرہ — ہمبستری سے پہلے تین طلاق دیدے تو وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں یہاں تک کہ وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے۔

سنن الکبری جلد ۷ ص ۳۳۴

۶۔ شرح معانی الآثار جلد دوم صفحہ ۲۹ کی مفصل عبارت خلاصتہ ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت عمرؓ نے تین طلاقوں کے تین واقع ہونے پر عام خطاب فرمایا جس میں صحابہ بھی تھے کسی نے بھی آپ سے اختلاف نہیں کیا۔ گویا صحابہ کرام نے بھی اجماعاً حضرت عمرؓ کی رائے کی تصدیق کی تین طلاقوں کے تین واقع ہونے پر صحابہ کرام کا قولی و فعلی اجماع واضح حجت ہے۔

۷۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رقم طراز ہیں کہ:

تین طلاقوں کے تین واقع ہونے پر حضرت عمرؓ کے عہد میں اتفاق و اجماع ہو چکا ہے کہ اجماع کے بعد اختلاف پیدا کرنا مردود ہے۔

(فتح الباری جلد ۹ ص ۲۹۳)

۸۔ علامہ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری جلد ۹ ص ۵۳۷ پر یوں لکھا ہے کہ جمہور علماء کا جن میں تابعین اور اتباع تابعین اور بعد کے حضرات شامل ہیں یہ مذہب ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہوں گی۔ امام اوزاعیؒ۔ امام نخعیؒ۔ امام ثوریؒ۔ امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ۔ امام شافعیؒ۔ امام احمدؒ۔ امام اسحٰقؒ بن راہیویہ۔ امام ابو ثورؒ اور امام ابو عبیدہؒ کا یہ مذہب ہے۔

۹۔ علامہ آلوسی روح المعانی جلد ۲ ص ۱۰۸ پر لکھتے ہیں کہ:

"جب حضرات صحابہ کرامؓ کا اس (وقوع طلقات ثلاثہ) پر اتفاق ہو چکا ہے تو یہ بغیر کسی نص کے نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ جمہور علماء کا بھی اس پر اتفاق ہے۔

۱۰۔ حافظ ابن قیمؒ اعلام الموقعین جلد ۲ ص ۲۷ میں لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے خلیفہ راشد (حضرت عمرؓ) اور ان کے دیگر رفقاء کی زبان پر شرع اور تقدیر کی رو سے یہ حکم جاری و ساری کر دیا کہ جو چیز (دفعۃً واحدۃً تین طلاقوں کا وقوع) لوگوں نے اپنے اوپر لازم کر رکھی ہے۔ اس کا اجراء اور نفاذ کر دیا جائے۔

۱۱۔ یہی وجہ ہے کہ مشہور غیر مقلد مولانا شمس الحق صاحب کو اعتراف کرنا پڑا کہ ائمہ اربعہ اور جمہور علماء اسلام کا یہی مذہب ہے کہ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

(عون المعبود جلد ۲ صہ ۲۲۹)

اور مشہور ظاہری محدث علامہ ابو محمد بن حزمؒ نے بھی تین طلاقوں کو واقع ہی کیا ہے جس کا حوالہ شروع میں دے دیا گیا ہے۔

تین طلاقوں کو ایک ثابت کرنے والے علامہ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ کو پیش پیش لاتے ہیں جب کہ نواب صدیق حسن خان نے علامہ ابن تیمیہ کے طلقات ثلاثہ کو (فتاویٰ ج ۲ ص ۲۵) میں ان کے تفردات میں شمار کیا ہے۔
ایسے حلال و حرام کا مسئلہ میں صحابہ کرام کے اجماع اور جمہور کا دامن چھوڑ کر بعض شاذ و نادر اقوال اور آراء (اور وہ بھی جو ان کے تفردات ہیں) کی کوئی وقعت نہیں رہتی۔
خود قارئین کرام اس بات کا فیصلہ کریں کہ اجماع صحابہ اور جمہور علما کے متفق علیہ مسلک کے بعد شخصی رائے کی کیا پوزیشن ہوگی۔ ؎ وہ خود بتائیں کہ روشن ہے آفتاب کہاں مجھے یہ ضد بھی نہیں ہے کہ دن کو رات کہوں

بقیہ: قرآنی سیرت

تعلق مع النفس کے سلسلہ میں پاک دامنی اور پاک نفسی، عفت و عصمت، حیا و انکسار، غیرت و حمیت، ہمت و شجاعت، صبر و سماحت، حیا و انکسار، علم و ضبط۔ اعتماد و توکل۔ زہد و قناعت۔ مجاہدہ و ریاضت، تحمل شدائد و مصائب و خدا ترسی وغیرہ کے اعلیٰ ترین ملکات اور اخلاق حمیدہ آپ کی فطرت صالحہ کا خمیر ہیں۔
اور **تعلق مع الخلق** کے سلسلے میں خدمت خلق اللہ۔ صلہ رحمی۔ مظلوم کی نصرت و اعانت۔ نادار کے لئے جود و سخا۔ ضرورت مندوں کے لئے ایثار و عطا۔ محتاجوں کو راحت رسانی۔ اور راہ گیروں کو کف اذی و ایذا رسانی سے بچنا عفو و درگذر۔ محبت و شفقت۔ دلسوزی و ہمدردی۔ تعلیم و تربیت۔ ارشاد و تزکیہ وغیرہ آپ کی پاک طبیعت کے فطری جوہر تھے۔

تعلق مع اللہ کے سلسلے میں عبادت و ریاضت۔ مجاہدہ و مراقبہ۔ کسر شہوات و لذات، تقرب و انابت توبہ و استغفار، تہجد و شب بیداری۔ ذکر اور فکر وغیرہ آپ کی پاک فطرت کی افتاد تھی۔
لیکن ان تینوں تعلقات میں تعلق مع اللہ ہی دونوں تعلقات کی استواری کی روح تھی جو نفس اور رب کے تعلقات کو صحیح نہج پر قائم کرتی ہے۔ اگر نفس انسانی کو تعلق مع اللہ سے آشنا اور اس کے تقاضوں کو خوگر بنایا جائے تو تعلق مع الخلق اور تعلق مع النفس صحیح بنیادوں پر کبھی قائم نہیں رہ سکتا۔ آج بھی جو لوگ اللہ سے منقطع ہو کر ان تعلقات کو خوشنما بنانے کی فکر میں ہیں وہ طرح طرح کی لغزشوں کا شکار اور نفسانی جذبات میں گرفتار ہیں جن کی مہلک لغزشوں سے دنیا فتنہ و فساد کا گھر بنی ہوئی ہے۔

ایگل
ایک عالمگیر قلم
EAGLE
NO.T-584
NO.71
NO.71-A
EAGLE IRIDIUM
A PRODUCT OF
AZAD FRIENDS
& CO. LTD.
ہر جگہ دستیاب ہے

از۔ ڈاکٹر سعید اللہ قاضی صاحب
ایسوسیئٹ پروفیسر شعبہ اسلامیات پشاور یونیورسٹی

ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص
کی
سوانح حیات اور افکار

پس منظر چوتھی صدی ہجری میں عباسی خلافت بڑی مشکلوں میں گھری ہوئی تھی۔ ایک طرف خلافت ترکوں اور ایرانیوں کے ہاتھوں برباد ہو رہی تھی۔ اور دوسری طرف سُنیوں اور شیعوں کے درمیان مذہبی تعصبات اور جھگڑے خلافت کو اندر سے گھن کی طرح کھا رہے تھے۔

ذیل کے چند اوراق اس سیاسی تباہی اور سُنیوں شیعوں کے درمیان مذہبی جھگڑوں کی مختصر تاریخ کا خاکہ پیش کیا جا رہا ہے جس کے بعد ہم کہیں اس پس منظر کو سمجھ سکیں گے۔ جس میں ابوبکر الجصاص پیدا ہوئے۔ پلے بڑھے۔ تعلیم حاصل کی اور وفات پائے۔ اس کے بعد اس کے اساتذہ، تلامذہ اور جن سے انہوں نے حدیث روایت کی۔ کے حالات زندگی دئے جائیں گے۔

جیسا کہ تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے۔ ایرانیوں نے عباسی خلافت کے قیام میں اہم رول ادا کیا۔ اور چونکہ خلیفہ کو ان پر پورا اعتماد ہوتا تھا۔ اس لئے خلافت کے انتظامیہ میں ان کو اہم عہدوں پر تعینات کر دیا گیا۔ لیکن جب کبھی خلیفہ کو ان پر اعتماد نہ رہتا تھا۔ انہوں نے اس کو ختم کرنے میں کوئی پس وپیش نہیں کی۔ ابومسلم خراسانی، برامکہ اور ابن سہل کا دردناک قتل اس سلسلے کی چند مثالیں ہیں[۱]۔

ایرانیوں کے بعد خلافت کے معاملات میں ترکوں کا اثر ونفوذ کافی سرعت سے بڑھتا گیا۔ انہوں نے اگر ایک طرف خلفاء کو بے دست وپا کرنے کی کوشش کی تو دوسری طرف ایرانیوں کو اہم عہدوں سے ہٹانے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا[۲]۔

ایرانیوں نے ترکوں کی اس کارروائی کی سخت مزاحمت کی۔ انہوں نے اس کے جواب میں ان سے اس کا بدلہ لینے کی ٹھانی۔ ساتھ ساتھ اپنے شہروں کو عباسی دائرۂ اثر سے آزاد کرانے کی بھی کوشش شروع کی[۳]۔

ترکوں اور ایرانیوں کے درمیان یہ چپقلش جاری رہی۔ اور ایک وقت ایسا آیا کہ بغداد ان متحارب جماعتوں

کے درمیان میدان جنگ نظر آتا تھا۔ مثال کے طور پر مرداویج جو ایرانی نژاد تھا اور جو طبرستان کا حاکم تھا نے دو فوجیں رکھی ہوئی تھیں ایک فوج میں جیلان اور دیلم کے باشندے بھرتی کیئے گئے تھے اور دوسری میں ترک، خراسانی اور وہ لوگ جنہوں نے اس کے لئے "الری" اور ارد گرد کے علاقے فتح کیئے تھے۔ بھرتی کیئے گئے تھے۔ ایک دفعہ یہ محسوس کیا گیا کہ خلیفہ ترکوں کی طرف زیادہ مائل ہیں۔ اس بات پر آیرانیوں نے احتجاج کیا اور اس باہمی چپقلش میں ترکوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اُترے [۴]

ترک عباسی خلافت کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں کامیاب ہوتے جس کا ثبوت یہ ہے کہ طاہریہ نے خراسان پر ۵۴ سال حکومت کی (۲۰۵ تا ۲۵۹ ہجری) صفاریہ نے فارس پر ۳۶ سال (دو سو چون تا دو سو نوے ھ) سامانیوں نے فارس اور ایشیائے کوچک پر تقریباً ایک سو اٹھائیس سال (دو سو اکیاسٹھ تا تین سو نواسی ھ) الزیاریہ نے جرجان پر تقریباً ۱۰۸ سال (۳۱۶ تا ۴۳۴ھ) اور بنی بویہ نے بغداد پر ۱۲۷ سال (۳۲۰ تا ۴۴۷ھ) حکومت کی [۵]

خلافت کے معاملات میں ایرانیوں کا اثر و رسوخ دن بدن بڑھتا گیا۔ اور ۳۳۴ ہجری میں جو خلیفہ مستکفی کی خلافت کے آخری ایام تھے۔ معز الدولہ ابن بویہ بغداد آئے اور امیر الامرا وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالا۔ خلیفہ مستکفی نے اس کو اور اس کے بھائیوں کو نہ صرف معز الدولہ، رکن الدولہ اور اعتماد الدولہ کے خطابات سے نوازا۔ بلکہ ملک کے سکے پر ان کے نام بھی کندہ کرائے [۶]

گو کہ خلیفہ مستکفی نے بنی بویہ پر انعامات کی بارش کی۔ لیکن انہوں نے ان کی قدر نہ کی۔ اس کے برعکس انہوں نے کئی مواقع پر خلیفہ کی بے عزتی کی۔ مثال کے طور پر معز الدولہ کو ایک دفعہ خلیفہ کے بارے میں کچھ شک سا پیدا ہوا۔ وہ چند دیلمیوں کو ساتھ لے کر خلیفہ کے پاس آیا۔ اچانک دیلمی آگے بڑھے۔ گویا وہ خلیفہ کے ہاتھ عزت کی علامت کے طور پر چوم رہے ہیں۔ لیکن حیرانی کی بات دیکھیئے۔ انہوں نے خلیفہ کو ہاتھ سے پکڑ کر زمین پر گھسیٹ لیا۔ اس کے محل پر دھاوا بول دیا۔ اور اس کے سارے متاع کو لوٹ لیا۔ انہوں نے اس پر بھی اکتفا نہ کیا بلکہ خلیفہ کی آنکھوں میں گرم سیخ پیوست کر دئے۔ اور اس کو نابینا بنا کے رکھ دیا۔ بنی بویہ اب اتنے طاقتور بن گئے تھے کہ خلیفہ کا بنانا اور ہٹانا اب ان کے ہاتھ میں تھا [۷]

انہوں نے خلیفہ مستکفی کو زبردستی مستعفی کرایا۔ اور ۳۴۴ ہجری میں اس کی جگہ مقتدر کے بیٹے مطیع کو خلیفہ بنایا اور اس کا وظیفہ ۱۰۰ دینار ماہانہ مقرر کیا [۸]

بنی بویہ اپنے اس عروج کے زمانے میں سخت دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے ان دشمنوں میں سب سے کٹر بنی حمدان تھے جو شام کے حاکم تھے۔ اس دشمنی کے دو سبب تھے۔ بنی حمدان عرب تھے اور بنی بویہ عجم۔ بنی حمدان کو بنی بویہ کا خلیفہ کے اختیارات پر زبردستی قبضہ جمانا پسند نہ تھا۔

یہ نفرت اور نسلی تعصب کی لڑائیوں پر منتج ہوئی لیکن کوئی فریق دوسرے کو ختم کرنے میں کامیاب نہ ہوا۔ آخر کار ۳۴۵ھ میں انہوں نے اپنے جھگڑے پر امن طور پر حل کر لئے۔[۹]
بنی بویہ کا دوسرا دشمن ابو القاسم بریدی تھا جو بصرہ کا حکمران تھا۔ ابن بریدی نے بغداد کی مرکزی حکومت کے خلاف بغاوت کی۔ اس کے جواب میں معز الدولہ نے بصرہ پر حملہ بول دیا۔ اور ہمیشہ کے لئے اس کا خاتمہ کر دیا۔[۱۰]
معز الدولہ کا تیسرا دشمن عمران بن شاہین تھا جو بطیحہ کا حاکم تھا۔ معز الدولہ نے ابن شاہین کو حکومت سے ہٹانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ نتیجتاً ابن شاہین نے بڑی آسانی سے اپنی ایک علیحدہ حکومت قائم کی۔[۱۱]
بنی بویہ کا چوتھا دشمن یوسف بن وجیہ تھا جو بحرین اور عمان کا حاکم تھا۔ ابن وجیہ نے قرمطیوں کی مدد سے بصرہ پر حملہ کر دیا۔ لیکن معز الدولہ نے اسے شکست دی اور عمان پر ۳۵۵ھ میں قبضہ کر لیا۔[۱۲]
اس کے علاوہ بنی بویہ کا زمانہ مذہبی جھگڑوں اور سنی شیعوں کے درمیان مذہبی تعصبات کا زمانہ تھا۔ خلیفہ سنی ہوا کرتا تھا اور بنی بویہ شیعہ۔ اس کے ساتھ خلیفہ بنی بویہ کے ہاتھوں بے دست و پا ہو چکا تھا۔ حکومت کے سارے اختیارات حقیقت میں انہی کے ہاتھوں میں تھے۔ بنی بویہ جو خود شیعہ تھے فطرتی طور پر شیعوں کی طرف زیادہ مائل ہوا کرتے تھے اس کا ثبوت یہ ہے کہ مطیع اللہ کے زمانے میں ۳۵۱ھ میں ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ شیعوں نے ایک دفعہ بغداد کی ایک مسجد کے دروازے پر یہ لکھ دیا کہ:۔

"اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو امیر معاویہ پر اور ایسے ویسے لوگوں پر"

رات کے وقت سنّیوں نے اس خط کو مسجد کے دروازے سے مٹا دیا۔ معز الدولہ اسے دوبارہ لکھنا چاہتا تھا لیکن اس کے وزیر المہلبی نے اُسے ایسا نہ کرنے کا مشورہ دیا بلکہ اس نے اس کی جگہ یہ لکھنے کا مشورہ دیا" اللہ تعالیٰ کی لعنت ان لوگوں پر ہو جنہوں نے اہل بیت پر زیادتی کی"[۱۳]
کہتے ہیں کہ اس زمانے میں صحابہ کرامؓ کو گالیاں دینے کا رواج اس قدر عام ہو چکا تھا کہ بغداد کے علماء نے اپنے اوپر کرخ جانا حرام کر دیا تھا کیونکہ یہاں صحابہ کرامؓ کو سخت گالیاں دی جاتی تھیں۔ شیعہ صحابہؓ کو گالیاں دیا کرتے تھے جن کی طرف سُنیوں کا ردعمل ظاہر تھا۔ نتیجتاً دونوں جماعتوں کے درمیان چپقلش اور خون خرابہ لازمی بات تھی۔[۱۴]
اس حقیقت کے باوجود کہ ریاست کو چھوٹی چھوٹی خود مختار امارتوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا جس کے سبب بغداد کی مرکزی حکومت سخت کمزور پڑ گئی تھی۔ پھر بھی یہ تقسیم حاکموں کا اپنی رعیت کے فلاح و بہبود کے کام کرنے میں حائل نہ ہوا۔ بلکہ وہ اور زیادہ اپنی رعیت کے فلاح و بہبود کے کام کرنے کی طرف مائل ہونے لگے۔ کیونکہ اب وہ خزانے سے آزادانہ طور پر اپنی رعیت کے فلاح و بہبود پر رقم خرچ کر سکتے تھے۔

والے اچھے اچھے علماء، دانشوروں اور شعراء کی سرپرستی کرنے لگے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ علماء دانشور اور شعراء بڑی خوشی سے علمی کام انجام دینے میں دلچسپی لینے لگے۔

اگرچہ مختلف امارتوں کے حکمرانوں کا نقطہ نظر مختلف ہوا کرتا تھا پھر بھی علماء کی ایک امارت سے دوسری امارت جانے پر کسی قسم کی پابندی نہ تھی۔ علماء دانشوروں اور شعراء کے اس آزاد نقل و حرکت کا نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ جس کسی امارت میں کسی عالم، دانشور یا شاعر کی خدمات کی ضرورت پڑتی تھی۔ تو دوسری امارت سے اس ضرورت کو بڑی آسانی سے پورا کیا جاتا تھا۔[۱۵]

اس پس منظر میں ابوبکر الجصاص کی سوانح عمری اور اس کے افکار پر کچھ لکھنے سے پہلے چند ایسی غلط فہمیوں کا ازالہ ضروری سمجھتا ہوں جو آپ کے نام کنیت اور نسبت کے بارے میں پیدا ہوئی ہیں۔

پہلی غلط فہمی جو اس سلسلے میں ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ مولانا عبدالحئی لکھنوی نے اپنی کتاب "الفوائد البھیہ" میں محمد بن عبدالباقی الزرقانی کا ایک بیان جو انہوں نے شرح المواہب الدنیہ میں دیا ہے نقل کیا ہے کہ:۔

ابوبکر الرازی احمد بن علی بن حسین الامام الحافظ محدث نیساپوری من ائمۃ الحنفیۃ، سمع اباحاتم۔ عثمان الدارمی وعنہ ابوعلی وابواحمد الحاکم۔ قال ابن عقدۃ کان من الحفاظ۔ مات سنۃ خمس عشرۃ وثلاث مائۃ

ابوبکر احمد بن علی ابن حسین الرازی نیشاپور کے سرکردہ حنفی محدثین میں سے ایک تھے۔ اس نے احادیث کا مطالعہ ابوحاتم الرازی اور عثمان الدارمی کے ساتھ کیا۔ اور اس سے احادیث کی روایت ابوعلی اور ابواحمد الحاکم نے کی۔ ابن عقدۃ کی رائے میں وہ حافظ احادیث تھے وہ ۳۱۵ھ میں وفات ہوئے۔[۱۶]

زرقانی نے جس نام کا ذکر کیا ہے وہ ابوبکر الجصاص نہیں ہیں۔ بلکہ وہ نیشاپور کے ایک دوسرے عالم ہیں جس کے حالات الذھبی نے تذکرۃ الحفاظ میں دیئے ہیں۔ اور جو ۳۱۵ھ میں وفات پاگئے ہیں۔ اس لئے مولانا عبدالحئی نے احمد بن علی بن حسین کو احمد بن علی الرازی الجصاص تصور کیا ہے جو غلط ہے۔[۱۷]

دوسری غلط فہمی ابوبکر الجصاص اور اس کے دوسرے ہم ناموں کے درمیان فرق کرنے میں ہوئی ہے۔ بعض کے خیال میں ابوبکر الرازی اور الجصاص دو مختلف شخصیتیں ہیں۔ جب کہ بعض کے خیال میں ابوبکر الرازی الجصاص ایک ہی شخصیت ہیں۔[۱۸]

حقیقت میں ابوبکر الرازی نام کی تین شخصیتیں ہیں۔ پہلی شخصیت ابوبکر احمد بن علی ابن حسین کی ہے جو ۳۱۵ھ میں وفات پاگئے ہیں۔[۱۹]

دوسری شخصیت ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص کی ہے جو ۳۷۰ھ میں وفات پاگئے ہیں اور جس کے ساتھ ہمارا تعلق ہے۔[۲۰]

تیسری شخصیت ابو بکر احمد بن علی الرازی الاسفرائینی کی ہے جو پانچویں صدی ہجری کے پہلے ربع کے اختتام یا دوسرے ربع کے اوائل میں وفات پا گئے ہیں۔[۲۲]

لہٰذا اس بات کا آسانی سے فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا عبدالحیٔ نے پہلی شخصیت کو دوسری شخصیت کے ساتھ خلط ملط کر دیا۔ جب کہ عمر رضا کحالہ نے دوسری شخصیت کو تیسری شخصیت کے ساتھ۔

تیسری بات جو تراجم نویس واضح نہیں کر سکے وہ ہے ابو بکر الجصاص کی نسبت "الرازی"۔ اس کو الرازی کیوں کہتے ہیں؟ ایک سوال ہے جس کا جواب امر مطلوب ہے۔

ابو بکر الجصاص کی جائے پیدائش کسی بھی تراجم نویس نے متعین نہیں کی۔ صرف دو تراجم نویسوں مولانا عبدالحیٔ لکھنوی اور علی اکبر دھخدا نے اس کی جائے پیدائش کا تعین کیا ہے۔ مولانا عبدالحیٔ نے اس کی جائے پیدائش بغداد نقل کی ہے۔ جب کہ علی اکبر دھخدا نے "الری"۔[۲۳]

جہاں تک مولانا عبدالحیٔ لکھنوی کے بیان کا تعلق ہے وہ بلاشک و شبہ غلط فہمی پر مبنی ہے[۲۴] اس لئے کہ خطیب بغدادی نے اگرچہ ابو بکر الجصاص کی جائے پیدائش کا تعین نہیں کیا ہے۔ لکھا ہے وہ جوانی میں بغداد آئے اور ابو الحسن الکرخی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔[۲۵]

اس طرح عبدالقادر قرشی نے ابو عبداللہ الصیموی کا بیان یوں نقل کیا ہے۔ وہ بغداد میں ۱۹ سال کی عمر میں یعنی ۳۲۵ھ میں داخل ہوئے اور ابو الحسن الکرخی کے سامنے زانوئے تلمذ پھیلایا۔ وہ پھر الاہواز چلے گئے، پھر بغداد کو واپس آئے پھر ابو عبداللہ الحاکم کے ساتھ نیشاپور چلے گئے۔ پھر ۳۹ سال کی عمر میں یعنی ۳۴۴ھ میں بغداد واپس آئے۔[۲۶]

جہاں تک خطیب بغدادی کے بیان کا تعلق ہے وہ عام طور پر "رجع" (واپس لوٹے) اور "عاد" (واپس آئے) کے الفاظ ایسے لوگوں کے لئے استعمال کرتے ہیں جو کسی غرض سے باہر جا کر اپنی جائے پیدائش کو واپس لوٹتے ہیں۔ اگر ابو بکر الجصاص بغداد میں پیدا ہو گیا ہوتا۔ تو خطیب بغدادی "ورد" کی بجائے "رجع" اور "عاد" کے الفاظ استعمال کرتا۔ لفظ "وَرَدَ" اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ابو بکر الجصاص پہلی دفعہ ۱۹ سال کی عمر میں کسی دوسری جگہ سے بغداد آئے۔ اور یہ جگہ غالباً الری ہے۔ جیسا کہ لفظ الرازی کی نسبت عام طور پر ان لوگوں کی طرف کی جاتی ہے جو الری میں پیدا ہوئے ہوتے ہیں۔[۲۷]

جہاں تک ابو عبداللہ الصیمری کے بیان کا تعلق ہے وہ ہماری بات کی تائید کرتا ہے۔ مثال کے طور پر۔ جب ابو بکر الجصاص پہلی دفعہ ۱۹ سال کی عمر میں بغداد آئے تو الصیمری نے اس کے لئے لفظ "دخل" (داخل ہوا) استعمال کیا ہے۔ اور جب اس نے بغداد کو اپنا مستقل مسکن بنا لیا اور پھر یہاں سے الاہواز چلے گئے تو اس نے "رجع" واپس لوٹا اور "عاد" (واپس آیا) کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ابو بکر الجصاص الاہواز چلے گئے۔ پھر بغداد

کو واپس لوٹے۔ پھر نیشاپور چلے گئے۔ اور پھر بغداد واپس لوٹے۔ اس لئے یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ ابوبکر الجصاص کی جائے پیدائش بغداد نہیں کیونکہ تراجم نویسوں نے "رجع" اور "عاد" کے الفاظ استعمال کئے نہ کہ وَرَدَ اور دَخَلَ کے۔[۲۸]

اس لئے علی اکبر دھخدا کا یہ قول کہ ابوبکر الجصاص "الری" میں پیدا ہوئے۔ مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں درست معلوم ہوتا ہے۔

ابوبکر الجصاص کی دوسری نسبت "الجصاص" کی توضیح السمعانی اپنی کتاب "کتاب الانساب" میں الجصاص کے تحت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ نسبت عام طور پر ان لوگوں کے لئے استعمال کی جاتی ہے جن کا پیشہ دیواروں کی لپائی سیمنٹ سے یا دوسری اشیاء سے کرنا ہوتا ہے اس لئے ابوبکر الجصاص کی طرف الجصاص کی نسبت اس پس منظر میں سمجھنا چاہئے۔[۲۹]

حالاتِ زندگی تراجم نویس ابوبکر الجصاص کے تفصیلی حالات زندگی نہیں لکھ سکے ہیں پھر بھی میری کوشش ہے کہ جو معلومات مجھے فراہم ہیں ان کی روشنی میں اس کے حالات زندگی قارئین کرام کے سامنے پیش کردں۔

ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص ۳۰۵ھ میں الری میں پیدا ہوتے۔ وہ ۳۲۵ھ میں ۱۹ سال کی عمر میں بغداد آئے اور ابوالحسن الکرخی کے درس میں شامل ہوئے۔[۳۰]

بغداد سے وہ علم حصول کی خاطر الاہواز چلے گئے۔ الاہواز سے وہ بغداد واپس آئے اور ابوالحسن کرخی اور دوسرے فضلاء کے دروس میں شامل ہو گئے۔[۳۱]

کچھ مدت کے بعد وہ اپنے استاد الکرخی کے مشورے سے ابوعبداللہ الحاکم النیشاپوری کے ساتھ نیشاپور چلے گئے اور وہاں آپ کی راہنمائی میں تحصیل علم شروع کی۔[۳۲]

ابوالحسن الکرخی ۳۴۰ھ میں وفات پا گئے۔ اور ابو علی احمد بن الشاشی اس کے خلف رشید مقرر ہوئے ۳۴۴ھ میں جب الشاشی بیمار ہوئے تو ابوبکر الجصاص نیشاپور کو خیر باد کہہ کر بغداد واپس آئے۔[۳۳]

الشاشی ۳۴۴ھ میں وفات پا گئے اور درس و تدریس کی ذمہ داری ابوبکر الجصاص کو سونپی گئی وہ ابوالحسن الکرخی کی مسجد میں درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ اس وقت وہ فقہ حنفی کے متبحر عالم تھے اس نے حدیث اور فقہ کی تعلیم بڑے بڑے علماء سے حاصل کی۔ ساتھ ساتھ اس نے نمایاں شاگرد بھی پیدا کر دیے۔ اس نے فقہ حنفی میں بہت اہم کتابوں کی تالیف کی وہ اتوار کے دن ۷ ذی الحجہ ۳۷۰ھ - ۱۴ جون ۹۸۱ء کو وفات پا گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ابوبکر الجصاص بہت نیک آدمی تھے۔ اس کو قضا کا عہدہ کئی بار پیش کیا گیا۔ لیکن ہر دفعہ اس نے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا۔[۳۴]

ابوبکر الجصاص کا مسلک

ابوبکر الجصاص حنفی مکتب فکر کے علماء میں سے ہیں اور مجتہد فی المسائل ہیں اگرچہ اس کے بعض مخالفین اس کو اصحاب التخریج میں سے شمار کرتے ہیں کچھ بھی ہو ابوبکر الجصاص ایک بڑی جامع صفات ہستی گزری ہے اس سے کوئی انکار نہیں نہیں کر سکتا کہ ابوبکر الجصاص ایک قابل نکتہ رس اور جامع فقیہہ گذرے ہیں [۳۵]

اس کے آراء۔ ناسخ و منسوخ | ابوبکر الجصاص کے نزدیک نسخ کے معنی رفع الحکم نہیں بلکہ ان الحکم المنسوخ لم یکن مراداً فی ھذا الوقت (یعنی منسوخ حکم کی اس وقت ضرورت نہیں ہوتی ہے کہ اس کے نزدیک جب کوئی حکم ایک دفعہ وقوع پذیر ہو جائے اس کا رفع (نسخ) جائز نہیں [۳۶]

ابوبکر کے نزدیک قرآن، قرآن کو منسوخ کر سکتا ہے۔ اور سنّت سنّت کو۔ اسی طرح سنّت کو منسوخ کر سکتا ہے مگر خبر واحد قرآن اور سنّت کو منسوخ نہیں کر سکتی [۳۷]

جہاں تک اجماع سے قرآن کی تنسیخ کا تعلق ہے تو ابوبکر اس کو درست نہیں سمجھتے۔ اس لئے کہ اجماع کا ادارہ پیغمبر اسلام صلعم کی وفات کے بعد وجود میں آیا [۳۸]

ابوبکر الجصاص خبر واحد کو تین درجوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

پہلی قسم۔ جس کی روایت ایک مشہور راوی نے کی ہو۔ جو عادل۔ ثقہ اور عالم ہو۔ اور جس کی روایت کی مخالفت متقدمین میں سے کسی نے نہ کی ہو۔ ہاں اگر یہ خبر واحد قرآن و سنّت اور اجماع صحابہ کے خلاف ہو تو یہ قابل عمل تصور نہیں کی جائے گی۔ اس قسم کی خبر واحد کو قیاس پر ترجیح دی جائے گی۔

دوسری قسم۔ جس کی روایت ایک ایسے راوی نے کی ہو۔ جس کی عدالت اور ثقہ ہونا معلوم نہ ہو۔ اور نہ وہ اپنی علمیت کی وجہ سے لوگوں میں مشہور ہو۔ البتہ عادل اور ثقہ راویوں نے اس کی روایت اس سے کی ہو۔ اس قسم کے عادل اور ثقہ راویوں کی روایت اس کی عدالت کے لئے کافی ہے۔ اس قسم کی خبر واحد اس شرط پر قابل قبول ہے کہ یہ قیاس الاصول کے خلاف نہ ہو۔

تیسری قسم۔ جس کی روایت ایک مشہور راوی نے کی ہو۔ لیکن متقدمین نے اس پر اس پر بے اعتمادی کا اظہار کیا ہو۔ اور راوی کی روایت میں غلطی کرنے کا الزام اس پر ثابت ہو یا اس قسم کی روایت اس شرط قابل قبول ہے کہ یہ اصول کے خلاف نہ ہو۔ اگر یہ قیاس کے خلاف ہو تو اس کو رد کر دیا جائے گا۔ دوسرے الفاظ میں اگر ایک خبر واحد کی روایت ایک عادل اور ثقہ راوی نے کی ہو اور متقدمین میں سے کسی نے اس کی مخالفت نہ کی ہو۔ ایسی خبر واحد کو قیاس الاصول پر ترجیح دی جائے گی [۳۹]

جہاں تک مراسیل صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا تعلق ہے۔ ابوبکر الجصاص ان کو اس شرط پر قابل قبول

تصور کرتے ہیں کہ راوی کسی قسم کی بے اعتمادی اور غیر عادل ہونے کے لئے مشہور نہ ہو۔[۴۰]

اگر کسی حدیث کا راوی ایک ہے لیکن کئی راویوں نے اس سے حدیث کی روایت کی ہے تو جو روایت اضافوں کے ساتھ کی گئی ہے۔ ترجیح دی جائے گی۔ اس لئے کہ حدیث کے متن میں نقص راوی کی بے احتیاطی کی علامت ہے۔[۴۱]

اگر کسی حدیث کی روایت ایک شاگرد کر رہا ہو اور اس کا استاد اسے سن رہا ہو تو یہ حدیث اس حدیث کے مقابلہ میں جس کی روایت ایک محدث کر رہا ہو اور شاگرد (راوی) اس کو سن رہا ہو زیادہ معتبر ہے جیسا کہ کہا گیا ہے

قراءتک علی المحدث اثبت من قراءته علیک[۴۲]

اجماع۔ ابوبکر الجصاص اجماع اہلِ مدینہ کو حجت قطعی نہیں مانتے۔ ان کے خیال میں اہل مدینہ اور اہلِ غیر مدینہ اس سلسلے میں برابر ہیں اور ان کے اجماع کو دوسرے لوگوں کے لئے حجت قرار دینا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔[۴۳]

ایک خاص زمانے میں اور ایک خاص علاقے کے علماء ایک گروہ کے اجماع کو اس وقت تک حجت قطعی قرار نہیں دی جا سکتی جب تک کہ اس زمانے کے علماء وفات نہ پا جائیں اور ان سے اس اجماع کی مخالفت میں کوئی اطلاع موجود نہ ہو۔

ابوبکر الجصاص کے نزدیک ہر زمانے کے علماء کا اجماع حجت قطعی ہے۔ خواہ کوئی اُسے تسلیم کرے یا نہ۔ اس میں کسی قسم کا اختلاف قابلِ قبول نہ ہوگا۔[۴۴]

اس کے بعد کل مجتہد مصیب (ہر مجتہد اپنی رائے کی روشنی میں کسی مسئلے کا حل نکال لینے میں مصیب ہوتا ہے) کا مسئلہ آتا ہے۔ لیکن اس مسئلے کے بارے میں صرف ایک مجتہد کا فیصلہ درست ہوگا۔ ہاں اس بات سے ہمیں یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیئے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ ہر مجتہد کا فیصلہ درست تصور ہوگا۔ کیونکہ ہر ایک مجتہد سے یہ توقع نہیں رکھی جا سکتی کہ وہ اپنی ذاتی رائے کی روشنی میں خواہ مخواہ کسی مسئلے کا قطعی حل نکالنے میں کامیاب ہوگا اور ایسا کرنا ممکنات سے بھی ہے۔

ایک مجتہد کسی مسئلے کا حل نکالنے میں غلطی کر سکتا ہے اور یہ اس کی طاقت سے باہر ہے کیونکہ یہ بلاشک و شبہ اس کی ذاتی رائے کی پیداوار ہے۔ اور کوئی شخص اس کو اس غلطی پر ملامت نہیں کر سکتا اس لئے کہ پیغمبر خدا نے اس کو اپنے علم کی روشنی میں کسی ایسے نتیجے پر پہنچنے کی اجازت دی ہے جو اس کے خیال میں سب سے زیادہ صحیح ہو۔ اس لئے جب ایک مجتہد غیر ارادی طور پر کسی فیصلے کا حل نکالنے میں غلطی کا ارتکاب کرے۔ اس کو ایک اجر ملنے کا مژدہ سنایا گیا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ اس سے مجتہد کی حوصلہ افزائی مقصود ہے۔ کہ وہ اپنے اجتہاد کی روشنی میں ان مسائل کا حل ڈھونڈ نکالنے کی کوشش کرے۔ جن کے لئے قرآن و سنت میں واضح حل موجود نہ ہو اس سلسلے میں ابوبکر الجصاص کا ایک قول نقل کیا جاتا ہے۔

ان ضوء جميع لا قوا بين مختلفين فيما طريقة الاجتهاد في احكام الحوادث

وہ تمام مسائل جن کا حل صرف اجتہاد سے کیا جاتا ہے ان کے بارے میں سارے مجتہدین کے فیصلے خواہ مختلف کیوں نہ ہوں درست اور صحیح تصور کئے جائیں گے۔[۴۵]

اس کا سیاسی مسلک | ابوبکر الجصاص امیر معاویہؓ اور اس کے جانشینوں کی خلافت کو جائز تصور نہیں کرتے اس کی رائے میں امیر معاویہؓ اور اس کے جانشینوں نے خلافت اس کے جائز حق داروں حضرت علیؓ اور امام حسینؓ سے زبردستی چھین لی تھی۔[۴۶]

چند علمی آرا

عذاب قبر | ابوبکر اس آیت کی تفسیر میں کہ جو لوگ خدا کی راہ میں جانیں قربان کر دیتے ہیں ان کو مرے ہوئے نہ کہو وہ زندہ ہیں مگر آپ سمجھتے نہیں۔ لکھتے ہیں کہ:

لوگوں کو قبروں میں زندہ کیا جائے گا۔ اور انہیں خوراک بھی دی جائے گی۔ اسی طرح مشرکین کو بھی ان کی قبروں میں اٹھایا جائے گا۔ اور ان کو ان کے بُرے اعمال کی وجہ سے سزا دی جائے گی۔[۴۷]

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب مردے بوسیدہ ہڈیوں میں تبدیل ہو چکے ہوتے ہیں۔ ان کو دوبارہ زندہ کیسے کیا جائے گا۔ اس کا جواب ابوبکر الجصاص کچھ اس طرح دیتے ہیں۔

۱۔ انسان حقیقت میں نام ہے روح کا جو کہ ایک غیر مرئی چیز ہے اور راحتیں اور تکالیف اس کو دی جاتی ہیں نہ کہ جسم کو۔

۲۔ انسان ایک مری ہوئی ٹھوس جسم کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ جسم کے چند مخصوص اجزاء کو جس پر اس کی زندگی قائم ہے اس کے اعمال کے مطابق راحتیں اور تکالیف دے دیتے ہیں تب اللہ تعالیٰ دوسری مخلوق کی طرح خواہ وہ جاندار ہوں یا بے جان ان کو بھی قیامت کی اصل گھڑی برپا ہونے سے پہلے تباہ کر دیں گے۔ پھر اللہ پاک ان تمام کو قیامت کے دن دوبارہ حساب کتاب کے لئے زندہ کر دیں گے۔[۴۸]

آخر میں ابوبکر الجصاص اپنی بات کے ثبوت میں ایک حدیث پیش کرتے ہیں۔

نسمة المسلم طير يعلق في شجر الجنة حتى يرجعه الله. مسلمان کی روح ایک پرندہ ہے جو جنت کے درخت میں سکونت پذیر ہے یہاں تک کہ وہ دوبارہ اسے آملتا ہے۔

سحر | ابوبکر الجصاص دوسرے لوگوں کی طرح سحر کو نہیں مانتے اس کے نزدیک ہر وہ عمل جو انسان کو مخمصہ میں ڈالتا ہے اور جس کے ذریعہ دھوکا دینا مقصود ہوتا ہے یا ہر غیر حقیقی عمل کو حقیقی عمل کے رنگ میں پیش کرنا سحر کہلاتا ہے۔[۴۹]

اپنی بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ابوبکر الجصاص فرماتے ہیں کہ ہر ایک چیز کے دو معنی ہوتے ہیں۔ ایک ظاہری اور دوسرا باطنی۔ اور یہ معنی صرف وہ لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کو ان کا علم ہوتا ہے جو لوگ ان پڑھ ہوتے ہیں

وہ کسی چیز کے باطنی مفہوم کو انسان کی سمجھ سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب ایک آدمی کشتی میں سفر کرتا ہے تو وہ ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ درختوں اور عمارتوں کو اپنے ساتھ متحرک محسوس کرتا ہے[۵۱]

اسی طرح چاندنی رات کو جب بادل آسمان پر چھائے ہوتے ہیں اور وہ شمال کی طرف حرکت کرتے ہیں تو چاند جنوب کی طرف حرکت کرتا معلوم ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ بادل۔ نہ کہ چاند۔ حرکت کرتے ہیں۔

اسی طرح جب چھوٹے سکے کو پانی سے بھرے ہوئے ایک پیالے میں رکھا جاتا ہے تو وہ اپنے اصلی حجم سے بڑا نظر آتا ہے۔ اسی طرح دھند میں ایک چھوٹا لڈو کا بڑا نظر آتا ہے اور سورج نکلتے وقت سورج کا قرص ہوا میں بخارات کی موجودگی کی وجہ سے بڑا نظر آتا ہے اور جونہی سورج چڑھتا رہتا ہے اس کا قرص چھوٹا بنتا جاتا ہے۔

اسی طرح ایک پنسل پانی کے ایک گلاس میں ٹوٹا ہوا یا ٹیڑھا نظر آتا ہے۔ الغرض بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جو بظاہر حقیقی معلوم ہوتی ہیں لیکن درحقیقت وہ حقیقی نہیں ہوتیں۔

مداری لوگ بھی اسی قسم کی چالیں استعمال کرتے ہیں وہ لوگوں کو یہ تاثر دلاتے ہیں کہ وہ ایک پرندے کو ذبح کرتے ہیں اور وہی پرندہ اچانک زندہ ہو کر ہوا میں اڑتا ہوا نظر آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے پاس دو پرندے ہوتے ہیں وہ ایک پرندے کو ذبح کرتے ہیں اور دوسرے کو چھپاتے ہیں جس کو لوگ نہیں دیکھ پاتے۔ وہ پرندہ جو اڑتا ہے حقیقت میں ذبح شدہ نہیں ہوتا اگرچہ لوگوں کو وہی ذبح شدہ پرندہ ہوا میں اڑتا ہوا نظر آتا ہے[۵۲]

ابوبکر اس بات کے بھی قائل نہیں ہیں کہ ساحر لوگ ایک آدمی سے گدھا یا گدھے سے آدمی بنا سکتے ہیں ایسا کرنا قطعاً ناممکنات میں سے ہے۔ ساحر لوگ کسی حالت میں بھی خلاف عادت کام انجام نہیں دے سکتے۔ اگر وہ ایسا کرنے کے اہل ہوتے تو وہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے عاجز نہ رہتے۔ ان کے خیال میں ساحر لوگ نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان[۵۳]

ابوبکر الجصاص جنات کی تسخیر پر بھی یقین نہیں رکھتے۔ ان کے خیال میں جنات کو مسخر کرنا قطعاً ناممکن ہے اور یہ بھی غلط ہے کہ وہ کسی کے لئے غیر معمولی کام کر سکتے ہیں۔ جو لوگ اس قسم کے قصے نقل کرتے ہیں وہ صرف افواہیں ہوتے ہیں۔ جو ساحروں کے ایجنٹ لوگوں پر اثر انداز ہونے کے لئے پھیلاتے ہیں۔ تاکہ وہ لوگوں سے اپنی مرضی کے مطابق کام لے سکیں۔

(باقی آئندہ)

جناب سید امین گیلانی صاحب

مَیں تیرے دل میں ہوں تجھ سے کوئی جدا تو نہیں

مَیں تجھ کو سجدہ کروں، تو مرا خدا تو نہیں
بُرا سہی، مگر اتنا بھی مَیں بُرا تو نہیں

بلند اس لئے نیزے پہ سر ہوا میرا
کہ حق کی راہ میں گو کٹ گیا، جھکا تو نہیں

گرا جو خاک پہ افلاک کانپ کانپ اُٹھے
مِرا لہو ہے یہ زاہد، تیری دعا تو نہیں

ستم کا ہر سر و ساماں، جلا کے دَم لیں گے
ہمارے دل کا الاؤ ابھی بجھا تو نہیں

مَیں لے کے جاؤں گا فریاد اُس کے پاس اپنی
ہمارے شہر کا حاکم کوئی بلا تو نہیں

ہوس میں زر کی تُو ایمان و عقل نہ گنوا
یہ سوچ، مل بھی گیا کچھ، وہ دیرپا تو نہیں

متاعِ خانہ لُٹا کر تُو مطمئن کیوں ہے
یہ ابتدا ہے محبت کی انتہا تو نہیں

مری خرابی پہ ہے منحصر مِری تعمیر
خدانخواستہ، وہ دوست بے وفا تو نہیں

جب اُس کو میں نے پکارا یہی جواب آیا
مَیں تیرے دل میں ہوں تجھ سے کوئی جدا تو نہیں

عصا بدست ہیں لاکھوں ہی کہنہ عمر امینؔ
عصا بدست ہو جو بھی، وہ رہنما تو نہیں

مولانا محمد عبداللہ صاحب حاصل پور منڈی ضلع بہاولپور

مسلمان حکمرانوں کی علم دوستی و علم پروری

بقول شیخ سعدی علیہ الرحمۃ یہ عین حقیقت ہے کہ ؎

بنی آدم از علم یابد کمال — نہ از حشمت جاہ مال و منال

پرو دامن علم گیر استوار — کہ علمت رساند بدار القرار (کریما)

ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام کے سر مبارک پر خلافت و نیابت ارضی کا تاج بدولت علم ہی سجایا گیا۔
آیۃ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَآءَ كُلَّهَا کا مفہوم مظہر ہے کہ دنیا میں علوم (دینی و دنیوی) کا اولین آموزگار و معلم خود ذات باری عز اسمہ و جل شانہ ہے اور ابتدائی طفل مکتب پہلا انسان (بابا آدم علیہ السلام) ہے۔

سیدنا داؤد علیہ السلام صاحب کتاب رسول جو بیک وقت شاہ دین و دنیا تھے، فرماتے۔ کہ سینے میں علم کا وجود اندھیرے گھر میں چراغ کی مانند ہے۔ علم کو نور اور روشنی سے تعبیر کرنا خود کلام اللہ شریف کی متعدد آیات میں ہے۔
عبداللہ بن مبارک سے روایت ہے کہ سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کو اختیار دیا گیا کہ وہ علم اور سلطنت میں سے کسی ایک کا انتخاب کریں۔ انہوں نے علم کو پسند فرمایا اور حسن انتخاب پر اللہ رب العزت نے خوش ہو کر ان کو علم کے ساتھ ساتھ سلطنت و حکومت بھی بخشی۔

خود پیغمبر آخر الزماں، فخر دو جہاں سید انس و جاں تحدیث بالنعمۃ کے طور پر فرمایا۔ بُعِثْتُ مُعَلِّمًا کہ میں استاد بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ ذیل میں ایک حدیث شریف کا ترجمہ قارئین با تمکین ملاحظہ فرمائیں۔ اس سے آپ کو عظمت و اعزاز علم اور اہل علم کا صحیح صحیح اندازہ ہوگا۔ اور ساری دنیا دامن علم میں سمٹی نظر آتی ہے۔
حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ علم حاصل کرو کیونکہ لوجہ اللہ تعلیم علم خشیت ہے، علم کی طلب عبادت ہے، علم کا مذاکرہ تسبیح ہے۔ علم کی تلاش جہاد ہے بے علموں کو علم سکھانا صدقہ ہے۔ مستحقین میں علم کے لئے خرچ کرنا تقرب ہے۔ علم حلال و حرام کا نشان ہے جنت کے راستوں پر روشنی کا ستون ہے۔ تنہائی میں مونس ہے، پردیس میں رفیق ہے، خلوت میں ندیم ہے۔

راحت و مصیبت سے آگاہ کرنے والا ہے۔ دشمن کے مقابلے میں ہتھیار ہے۔ دوستوں میں زینت ہے۔ علم کے ذریعہ خدا تعالیٰ بعضوں کے مقام و مرتبہ کو بلند فرماتے ہیں اور ان کو نیکی کا ایسا عمدہ نمونہ اور امام بناتے ہیں کہ دنیا ان کے نقش قدم پر چلتی ہے۔ ان کی سیرت قابلِ اتباع ہوتی ہے۔ ان کے اقوال پر عمل کیا جاتا ہے۔ ملائکہ ان کی خدمت پر راغب ہوتے ہیں اور اپنے مقدس و نورانی پروں سے ان کو چھوتے ہیں۔ ان کی مغفرت کے لئے جملہ مخلوقِ خدا سمندر کی مچھلیاں، زمین کے کیڑے مکوڑے اور خشکی کے درند و چرند دعا کرتے ہیں۔ جہل کی موت میں علم، دلوں کے لئے زندگی ہے۔ تاریکی میں آنکھوں کے لئے روشنی ہے۔ علم ہی کے ذریعے بندگانِ خدا دنیا اور آخرت میں اخیار کے مرتبے پاتے اور بلند درجے حاصل کرتے ہیں۔ علم میں غور و فکر روزے کے برابر ہے اور علم میں مشغول ہونا قیام لیل کے ہم پلہ ہے۔ علم ہی سے رشتے استوار ہوتے ہیں۔ علم عمل کا راہنما ہے۔ اور عمل علم کا پیرو ہے۔ خوش بختوں کو ہی علم کی توفیق میسر آتی ہے اور بدبخت اس نعمت سے محروم رہتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معلّم اور مدرس کے فرائض انجام دئیے۔ آپ نے اپنی حکمرانی و راجدانی اسلامی سٹیٹ (مدینہ منورہ) میں ایک درس گاہ کی بنیاد رکھی جس کا نام "صُفّہ" تھا۔ اس عظیم ادارہ کے فارغ التحصیل و فاضل نوجوانوں کو صوبوں کے گورنر و عامل، آرمی کے جرنیل و کمانڈر، قاضی القضاۃ، خطیب، مفتی اور مدرس کے مناصب جلیلہ پر فائز کیا جاتا تھا اور ہر عہدہ دار اپنی مثال آپ ہوتا تھا۔

گویا امت و ملت اسلامیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے حکمران ہیں جنہوں نے باقاعدہ منظم طریق سے عملی طور پر علوم کی تعلیم و ترویج میں بھرپور اور حتی المقدور حصہ لیا۔

تعلیم کی اہمیت و ضرورت اور افادیت سے آپ بخوبی واقف تھے۔ پہلی قرآنی وحی کا ابتدائیہ و افتتاحیہ اِقْرَأ (پڑھئے) تھا۔ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ الآیۃ کتاب و حکمت کی تعلیم تو آپ کے فرائض منصبی میں شامل تھی۔ اس فریضہ کی ادائیگی میں آپ کی مساعی جمیلہ نہ صرف قابلِ داد و تحسین و آفرین بلکہ ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ اسی سلسلہ میں فرمایا گیا طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ نیز تعلم العلم وعلموہ الناس خود سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۔ ع

خود جلو دیدۂ اغیار کو بینا کردو

اغیار کو بینائی بخشنے والے آج خود تاریکیوں میں پڑے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں نامعلوم یہ شب دیجور کب صبح خنداں بنے گی۔

مشہور صحابی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بچوں کو پڑھتے دیکھتے تو فرماتے:۔

شاباش! تم علم و حکمت کے سرچشمے ہو، تاریکی میں روشنی، تمہارے کپڑے اگرچہ بوسیدہ اور پھٹے پرانے

ہیں لیکن تمہارے دل تر و تازہ۔ تم علم ہی کی خاطر گھروں (مدرسوں) میں محصور ہوئے۔ مگر تم ہی تو مہکنے والے پھول ہو۔

خلفائے بنو عباس میں سے نامور خلیفہ ہارون الرشید (جو بذات خود بہت بڑا متبحر عالم و فاضل تھا) کی علم دوستی اور علم پروری تو ضرب المثل بن گئی تھی۔

ہارون الرشید کی علم دوستی ایک مرتبہ ایک نابینا عالم ابومعاویہ ضریرؒ نے ہارون کے ساتھ کھانا کھایا۔ کھانے سے قبل ہارون نے خود ان کے ہاتھ دھلائے جب کھانا شروع کیا تو پوچھا کیوں ابومعاویہ آپ کے ہاتھ کس نے دھلائے۔ انھوں نے اپنی مجبوری (کور چشمی) کی وجہ سے لاعلمی کا اظہار کیا تو ہارون نے کہا کہ یہ خدمت میں نے خود سرانجام دی ہے۔ ابومعاویہ نے کہا اللہ آپ پر رحم کرے آپ نے خود یہ تکلیف کیوں کی۔ تو ہارون الرشید نے مودبانہ لب و لہجہ میں کہا اجلالاً للعلم آپ کی علمی قدر و منزلت کے پیش نظر۔

مشہور محدث حضرت عبداللہ ابن مبارک کی وفات حسرت آیات کے صدمہ کا ہارون الرشید پر بہت برا اثر ہوا۔ اور وہ دل برداشتہ ہو کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رویا۔ شاید وہ اپنے قریبی عزیز و اقارب کی وفات پر اتنا دل گرفتہ اور رنجیدہ نہ ہوا ہو گا یہی ایک واقعہ ہارون کی قلبی کیفیات اور علم و علماء دوستی کی شہادت کے لئے کافی ہے۔ اسی سے اندازہ کیجئے کہ اسے علم اور اہل علم سے کس قدر شغف تھا اور ہارون الرشید کا یہی جذبہ جب جوش میں آ کر ٹھاٹھیں مارتا تو وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر مصاحبین و ارکان دولت کو ہمراہ لئے اہل علم کے دروازوں پر بھکاریوں اور گداگروں کی طرح مارے مارے پھرتا اور اپنے جذبات کی تسکین اور علمی تشنگی سے سیرابی کی خاطر تاج شاہی کو بھی ایک طرف رکھ دیتا۔

ہارون الرشید کے شب و روز علماء کی محفلوں، علمی مذاکروں، بحث و مباحثوں میں گذرتے اور وہ ان سے پورا پورا لطف اندوز ہوتا اور اہل علم سے خوش ہو ہو کر اکرام و عطا کی ایسی بارش کرتا کہ دیکھنے اور سننے والے محو حیرت رہ جاتے۔ ہارون علوم و فنون کا سچا قدردان اور سرپرست تھا۔ ہارون الرشید کا عہد حکومت علمی فروغ نشر و اشاعت کا مثالی اور معیاری عہد تھا۔

مسلمان حکمران کے مؤلف جناب محترم رشید اختر ندوی بحوالہ خطیب بغدادی اور مورخ الدمشقی رقمطراز ہیں ہارون کی علم پروری اور علمی دلچسپی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف بغداد میں (جو عروس البلاد بنا ہوا تھا) بیس ہزار دوکانیں کتب اور سٹیشنری (سامان نوشت و خواند) کی تھیں۔ آج کے اس دور میں جب کہ علمی فروغ کی نشر و اشاعت کے جدید ترین وسائل و ذرائع ہیں اور سائنس بام عروج پر ہے دنیا کا شاید ہی کوئی ایسا ملک ہو گا جس کے کسی خوش نصیب و بلند بخت شہر کو یہ شرف حاصل ہو کہ اس میں بیس ہزار دوکانیں کتب اور سٹیشنری کی ہوں۔

ایک بار ہارون الرشید نے دیکھا کہ اس کے دونوں بیٹے مامون اور امین اپنے استاد کی کفش برداری پر لڑ رہے ہیں اور اچھا خاصا جھگڑا ہو رہا تھا جو ناظرین کے لئے دلچسپ منظر بن گیا۔ امین کا تقاضا تھا کہ استاد کے جوتے میں اٹھاؤں گا جب کہ مامون مصر تھا کہ کفش برداری کی عظیم خدمت میں بجا لاؤں گا۔ ہارون نے جب یہ عجیب منظر دیکھا تو باغ باغ ہو گیا اور خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ سچ ہے اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ باپ (ہارون) اگر علماء کے ہاتھ دھلانے کی سعادت سمجھتا تھا تو اولاد بھی اساتذہ کی جوتیاں اٹھانے کو باعث فخر خیال کرتے تھے۔ اس قسم کے واقعات سے تاریخ کا دامن لبریز ہے۔

خاندان بنو امیہ کی علم پروری خاندان بنو امیہ کے مشہور چشم و چراغ الحکم ثانی کی ساری زندگی علمی مجالس و محافل میں گذری۔ وہ بذات خود بہت بڑا فاضل و لائق ترین انسان تھا خصوصاً علم فقہ و حدیث میں اسے مہارت تامہ اور ادراک حاصل تھا۔ "مسلمان حکمران" کے مؤلف نے کیسا شاندار جملہ لکھا ہے کہ "اگر اسے تخت شاہی پر بیٹھنا نصیب نہ بھی ہوتا تو بھی دنیا سے ایک بڑے عالم اور فقیہہ کی حیثیت یادرکھتی اور تاریخ میں اس کا نام علماء کے زمرہ میں زندہ و تابندہ رہتا۔ الحکم ثانی کے اپنے ذاتی کتب خانہ میں چار لاکھ کتابوں کا ذخیرہ تھا ان میں سے بیشتر کتابوں کے حواشی پر الحکم کے اضافی ہینڈ نوٹس تھے۔ گویا چار لاکھ کتابیں اس کے مطالعہ سے نکل چکی تھیں۔ اور مطالعہ بھی ایسا کہ وہ ان کتابوں پر محاکمہ کر سکتا تھا۔

اچھی اور بہترین کتب کا حد درجہ شوقین تھا اس کا یہ علمی شوق و ذوق جنون کی شکل و صورت اختیار کر گیا۔ بے چارے وزیر و سفیر اس کے اس علمی جنون کی تسکین کے لئے خرید کتب کے سلسلہ میں ملکوں ملکوں کا سفر کرتے رہتے۔ اس علم دوست و علم پرور بادشاہ نے جہاں اپنی روح کو علمی آسودگی اور سکون مہیا کیا اپنی رعایا کو بھی شمع علم سے استفادہ کے سنہری مواقع فراہم کئے۔

سرزمین اندلس کے گوشہ گوشہ قریہ قریہ میں مدارس و مکاتب قائم کئے۔ اس کے عہد حکومت و خلافت میں صرف قرطبہ شہر میں ہزاروں ابتدائی مدارس و مکاتب قائم کئے۔ اس کے عہد حکومت میں صرف قرطبہ شہر میں ہزاروں ابتدائی مدارس (پرائمری) اور آٹھ صد ثانوی تعلیم گاہیں (ہائی سکول) تھیں۔ اور پھر لطف یہ کہ ابتدائی تعلیم سے قرطبہ یونیورسٹی کی ڈاکٹریٹ کی ڈگری تک سب تعلیم اور سامان تعلیم (کتب، قلم دوات، سٹیشنری) طلبہ کو مفت مہیا کیا جاتا۔ بلکہ مراحم خسروانہ کا یہ عالم تھا کہ مستحق طلبہ کو یومیہ دو سے آٹھ آنے تک حسب استحقاق جیب خرچ بھی ملتا تھا۔

قارئین کرام! یہ اس شخصی حکمران کی علم دوستی کا حال تھا جب کہ آج کے جمہوری دور میں "تعلیم مفت ہے" یہ کا نعرہ اور چرچا عام ہے۔ رہبران و لیڈران قوم و ملت ایسے جذباتی نعروں سے عوام الناس کو بے وقوف بنا کر مطلب براری کر کے ایوان اقتدار میں جا دھمکتے ہیں اور پھر غلط تعلیمی پالیسیوں سے پوری قوم کے نونہالوں کا مستقبل تباہ کیا جاتا ہے۔

اس کی تفصیل و اس کی تشریح ماضی قریب کے آئینے میں دیکھئے۔

عربی زبان کا مقولہ ہے "اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ" کہ رعایا اپنے بادشاہ کے مذہب پر ہوتی ہے۔ الحکم کے زمانہ میں لوگوں نے اپنے معیارِ زندگی کی بلندی و برتری اسی میں سمجھی کہ وہ اچھے سے اچھے کتب خانے بنائیں۔ اور عمدہ سے عمدہ کتابوں سے اپنی لائبریری کی زیب و زینت میں اضافہ کریں۔

علامہ مقریؒ اس دور کا علمی ذہن و سوچ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں صَارَ ذٰلِكَ عِنْدَهُمْ مِنَ اللَّذَّةِ الْعَيْشِ وَالسِّيَاسَةِ یعنی قیام مکاتب و کتب خانے ان کا سامانِ تعیش بن گیا تھا یہی وجہ تھی کہ اس دور میں باوجود تلاشِ بسیار کے جاہل اور ان پڑھ آدمی نہ ملتا تھا خواہ دیہات ہوں یا شہر قرطبہ کے گلی گلی اور کوچے کوچے میں لوگوں کے اپنے ذاتی کتب خانے تھے۔ خواہ وہ کاخِ امراء ہوں یا بالوں کے خیمے اور گھاس پھونس کے کاشانے۔ بہرحال یہ علمی ذوق سب کا قدرِ مشترک تھا۔

سلاجقہ کی علم پروری ملک شاہ سلجوقی کی علم دوستی و علم پروری کا غلغلہ آج بھی بلند ہے۔ اس کے نامور وزیر نظام الملک طوسیؒ نے کثیر تعداد میں مدارس قائم کئے کہ پوری مملکت مدرسہ بن گئی تھی۔ اس سلسلہ کا سب سے بڑا کارنامہ مدرسہ نظامیہ بغداد کا قیام تھا۔ یہ مدرسہ اس دور کے اندر مشرق و مغرب میں اپنی نظیر آپ تھا۔ آپ اس گلستانِ علم و ادب کے چند شگفتہ و شاداب مہکتے پھولوں کی خوشبو صدیوں بعد آج بھی سونگھ سکتے ہیں۔ جن کی عطر بیزی اور مہک میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور وہ تشنگانِ علم و معرفت اور محبین و مخلصین کے لئے مشام روح و جان بنے ہوئے ہیں۔ امام ابو اسحاق شیرازی، ابن الخطیب، عمر خیام، ابو القاسم قشیری، قطب الدین شافعی۔ محرامت امام غزالی جیسے نابغۂ روزگار علماء نے مختلف اوقات میں اس مدرسہ کی خدمت کر کے اوجِ کمال تک پہنچایا اور پھر اس بوستانِ علم و فن سے سعدی شیرازی، شیخ عبد القادر جیلانی جیسی جلیوں نے جنم لیا اور دیکھتے دیکھتے ایسے سدا بہار پھول بنے جن پر خزاں بھی اثر انداز نہ ہو سکی۔ ملک کی پوری آمدنی کا ایک معتد بہ حصہ تعلیم و تعلم اور مکاتب و مدارس کے قیام و اخراجات پر خرچ ہوتا تھا۔

سلطان مراد کی علم دوستی سلطان مراد دوم ترک بادشاہوں میں بہت بڑا نیک طینت عابد و زاہد اور شب زندہ دار بادشاہ تھا۔ اس کے عہدِ حکومت میں بڑی بڑی قابل قدر علمی ہستیوں نے جنم لیا۔ اور خوب بال و پر کھول کر علمی فضاؤں میں اڑے اور پروان چڑھے۔ سلطنت عثمانیہ اس دور میں علمی مجمع البحرین اور سرچشمہ بن گئی تھی۔ سلطان مراد دوم کی علم دوستی ذیل کے واقعہ سے بخوبی کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ آج کل کے جمہوری حکمران اسے دیدۂ عبرت سے پڑھیں۔ وَفِیْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ۔

سلطان مراد کو کسی طرح معلوم ہوا کہ اس کے نورِ چشم فرزند دلبند محمد خان نے ابھی تک قرآن مجید ختم نہیں کیا۔

تو انہوں نے اپنے وقت کے مشہور عالم و فاضل علامہ الکرانی کو بلایا اور اپنے ہاتھ سے الکرانی کو ایک چھڑی (ڈنڈا) دی اور کہا کہ اس کی مدد سے میرے بیٹے کو قرآن مجید پڑھاؤ۔ الکرانی اسی عالم میں شہزادہ کے پاس پہنچے۔ شہزادہ اپنے بے فکر ہمجولیوں میں بیٹھا گپ شپ لڑا رہا تھا۔ علامہ الکرانی نے چھڑی اٹھا کر فرمایا۔ دیکھا صاحبزادہ صاحب! تمہارے والد محترم (بادشاہِ وقت) نے مجھے تمہاری تعلیم قرآن پر مقرر فرمایا ہے۔ شہزادہ ہنسنے لگا۔ گویا وہ الکرانی کی بات کا مذاق اڑا رہا ہے۔ علامہ کرانی نے بلاخوف و جھجک شہزادہ کو مارنا شروع کیا اور اتنا مارا کہ شہزادہ صاحب کی کھال ادھیڑ کر ادھ مرا کر دیا۔ شہزادہ صاحب نہ صرف بچپن کی لاابالی عمر کے حصہ میں تھے بلکہ سلطنت کے ایک صوبہ مغنیہ کی گورنری کے ایک عظیم عہدہ پر فائز المرام تھے۔ ممکن ہے کہ شہزادہ محمد خاں شوخ چشمی یا انتقامی کارروائی کرتا۔ لیکن دوسری طرف حالات یہ تھے کہ شہزادہ کا باپ سلطان مراد خان اولاد سے زیادہ اہل علم پر مشفق و مہربان تھا۔ اور علمی تقاضوں کو ہر چیز پر فوقیت و ترجیح دینا تقاضئی کر اپنی جانِ عزیز سے بھی علماء کو عزیز ترین خیال کرتا تھا۔

علامہ الکرانی کی مار پیٹ کا یہ اثر ہوا کہ شاہزادہ نے نہایت قلیل عرصہ میں قرآن مجید ختم کر لیا۔ اور خود محمد خاں جب مسند حکومت پر متمکن ہوا تو سلطنت کا سارا کاروبار اپنے عظیم محسن علامہ الکورانی کو وزارتِ عظمیٰ کا قلمدان سنبھالنے کی پیش کش کی۔ لیکن علامہ موصوف نے قبول نہ فرمایا۔

محمد خاں علماء و فضلاء کا بڑا قدر دان اور عقیدت مند تھا۔ نامور علماء و فضلاء شعراء کے وظیفے اور روزینے (الاؤنس) مقرر کر رکھے تھے جو باقاعدگی سے ان تک پہنچائے جاتے تھے اس کے اکرام و عطا کی یہ بارش نہ صرف اپنے ملک کے علماء فضلا و شعراء پر ہوتی تھی بلکہ اس کے وجود و احسان کا یہ دریا بیرونِ ممالک اور دیارِ غیر میں بہتا تھا۔

اس نے اپنی مملکت میں مدارس و مکاتب کا جال بچھا دیا تھا۔ امتِ مسلمہ پر اس کا یہ اتنا بڑا احسان ہے کہ دنیا آج تک نہیں بھولی۔ تاریخ میں اس کا یہ عظیم کارنامہ آب زر سے لکھا جائے گا اور اس محسن ملتِ اسلامیہ کی شکر گذار رہے گی۔

مغل بادشاہوں کی علم پروری سلاطین مغلیہ کی علم پروری اور علم دوستی زبان زدِ خلائق ہے۔ ہمایوں، عالمگیر اور دیگر سلاطین تاریخ میں اپنی علم دوستی کی بنا پر زندہ جاوید ہیں۔ سلطنت مغلیہ کے مشہور و معروف سپہ سالار بیرم خاں کے بارے میں عصر حاضر کے عظیم سکالر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ اپنی کتاب مسلمانوں کا عروج و زوال ص ۲۷۰ پر لکھتے ہیں کہ :

بیرم خاں کے علمی ذوق و شوق، تجسس اور مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ وہ عین میدانِ جنگ میں گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر کتاب ہاتھ میں لئے مطالعہ کرتا تھا۔ حتیٰ کہ غسل کا وقت بھی مطالعہ سے فارغ نہیں رہتا تھا۔ خدام ہاتھوں کتابیں کھولے کھڑے ہیں اور بیرم خاں بیک وقت جسم و روح کی صفائی و بالیدگی میں مصروف رہتے۔ نہا بھی

رہے ہیں کہ جسم تروتازہ ہو رہا ہے اور ساتھ ساتھ علمی مطالعہ سے بشاشت قلبی اور علمی تشنگی سے سیرابی بھی ہو رہی ہو رہی ہے۔ قارئین کرام بلاشبہ یہ واقعات حیرت انگیز ہیں۔ لیکن تاریخ میں ایسے واقعات کی کمی نہیں۔ فخر الدولہ کے مشہور زمانہ وزیر ابوالقاسم اسمٰعیل بن ابوالحسن کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ سفر و حضر میں اپنے ساتھ چار سو اونٹ رکھتا جن پر اس کا کتب خانہ لدا ہوتا اور اکثر اوقات فرصت علمی مطالعہ میں بسر کرتا ہے

اولٰئک آبائی فجئنی بمثلھم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

ماضی قریب میں مسلم ریاستوں کے حکمرانوں، نوابوں نے اس سلسلہ میں جو کچھ کیا وہ بھی کچھ کم نہیں تھا۔ حیدر آباد دکن کے عثمانی فرماں رواؤں، نوابوں نے دکن یونیورسٹی قائم کی۔ قابل قدر علماء و فضلا کے وظیفے اور الاؤنس جاری کئے ریاست بہاولپور کے نواب محمد صادق خان خامس مرحوم بڑے علم دوست اور علم پرور فرماں تھے اس سلسلہ میں انہوں نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ ابھی ماضی قریب میں موجودہ مارشل لا ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور اور کراچی یونیورسٹی کو لاکھوں کے گراں قدر عطیات سے نوازا اور حال ہی میں لاہور کے اسلامیہ ہائی سکول کو پچاس ہزار کی خطیر رقم بخش کر مسلم حکمرانوں کی ماضی کے عظیم کارناموں کی ایک جھلک دکھائی اللہ تعالیٰ صدر مملکت اور جنرل موصوف کو اس جذبہ خیر سے مزید بہرہ ور فرمائے۔ بہر کیف یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ مسلم حکمرانوں، فرماں رواؤں کا ضمیر و خمیر ہی خدمت علم و اہل علم، علم دوستی و علم پروری سے مرکب ہے۔ جس کو اغیار نے بھی تسلیم کرتے ہوئے داد و تحسین کے پھول نچھاور کئے۔

اے کاش صدر مملکت اسلامیہ جمہوریہ پاکستان میں اسلامی نظام تعلیم رائج کرتے وقت مشرقی زبانوں عربی، فارسی اور اردو کو ان کا جائز مقام عنایت فرماتے۔ قول سے نہیں عمل سے۔ گفتار سے نہیں بلکہ کردار سے۔ اللھم وفقہ۔

دارالعلوم حقانیہ کے
شب و روز
شفیق فاروقی

۱۶ رجب ـــــ ● تبلیغی جماعت کے ایک وفد نے جس میں ملائیشیا یونیورسٹی کے نوجوان بھی شامل تھے دارالعلوم کی مسجد میں تین دن تک قیام کیا۔ ان نوجوانوں نے دفتر اہتمام میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے ملاقات کی حضرت نے تبلیغی مساعی کے بارآور ہونے کی دعا کی۔

● ڈائرکٹر تعلیم صوبہ سرحد جناب حاجی کفایت اللہ خان صاحب نے دفتر اہتمام میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے ملاقات کی اور گھنٹہ بھر قیام کیا، اس کے بعد جناب مدیر الحق کے ساتھ آپ نے دارالعلوم کے شعبہ مڈل تعلیم القرآن کا معائنہ کیا اور نہایت خوشگوار تاثرات کا اظہار کیا۔

● بعد از عصر جناب ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتا ڈائرکٹر ادارۂ تحقیقات اسلامیہ، اسلام آباد تشریف لائے۔ جناب جسٹس منیر احمد مغل ڈپٹی رجسٹرار لاہور ہائی کورٹ بھی آپ کے ہمراہ تھے، ان حضرات نے شام تک جناب مدیر صاحب کے ساتھ تبادلہ خیال کیا اور مولانا کی پھوپھی صاحبہ مرحومہ کے لئے فاتحہ خوانی کی۔ ثانی الذکر جناب منیر احمد صاحب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کے آمالی قرآن کی ایڈٹ کر رہے ہیں اور اس موضوع پر ڈاکٹریٹ بھی۔

۲۳ رجب ـــــ دارالعلوم حقانیہ کے تعلیمی سال کے اختتام پر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے دارالحدیث میں ختم بخاری شریف کرایا۔ اس تقریب میں باہر سے بھی اہل علم اور عام مسلمان موجود تھے۔ ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ حضرت نے فارغ ہونے والے طلبہ سے خطاب فرمایا جو شریک الحق ہے۔ اس موقع پر دارالعلوم کے تمام متعلقین و معاونین کے لئے دعائیں کی گئیں بالخصوص افغانستان کے مجاہدین کی فتح و کامرانی کے لئے تضرع سے دعائیں ہوئیں۔

● دارالعلوم کے ایک دیرینہ قدیم مخلص معاون جناب حاجی عبدالصمد صاحب وفات پا گئے۔ مرحوم رکن دارالعلوم جناب حاجی محمد یوسف صاحب کے بھائی تھے اور دارالعلوم کے اولین دور میں اساتذہ و طلبہ کے خاص خادم۔ مرحوم کی نماز جنازہ حضرت شیخ الحدیث نے پڑھائی طلبہ و اساتذہ بھی شریک ہوئے۔

باقی ص۶۱ پر

ادارہ

تبصرۂ کتب

خدام الدین کا مولانا احمد علی لاہوری نمبر | مرتب : ادارۂ خدام الدین شیرانوالہ گیٹ۔ لاہور ——
صفحات ۵۹۲ — قیمت اٹھارہ روپے۔

امام الاولیار شیخ التفسیر مجاہد ملت، مفسر قرآن حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری قدس اللہ سرہ العزیز بانی ادارۂ خدام الدین لاہور کی ذات والاصفات اپنے اندر ایک عہد اور ایک تاریخ لئے ہوئے تھی، فیاض ازل نے علم وعمل، زہد وتقویٰ، جہاد وعزیمت، دعوت وموعظت، اخلاص وللہیت، تدبر وفراست، نظم والتزام، فقر واستغنار، خدمت خلق، احقاق حق وابطال باطل، اشاعت سنت اور اشاعت قرآن کریم جیسی کئی نایاب و کمیاب صلاحیتوں اور دولتوں سے انہیں نوازا تھا۔ سیاست وجہاد، درس وتدریس، خطابت وتبلیغ، تصوف وسلوک ردِ منکرات اور فروغ معروفات کا کون سا مقام اور میدان تھا جس میں اس برگزیدہ اور مقرب بارگاہِ خداوندی شخصیت نے گہرے اور نمایاں اثرات نہیں چھوڑے۔ اور میرے نزدیک مختصر الفاظ میں وہ انسانی اقدار کا ایک حسین گلدستہ اور انسانیت کی مثل اعلیٰ کا ایک جامع نمونہ تھے جبکہ سب سے بڑھ کر عنقا ہی چیز ہے۔

ایسے نابغۂ روزگار بزرگوں کے احوال وسوانح وتعلیمات اور امتیازات کی ترتیب وتدوین اور فروغ واشاعت جتنی بھی زیادہ ہو تو کم ہے۔ غالباً حضرتؒ کی وفات کے بعد ان کے جاری کردہ معروف ہفت روزہ خدام الدین نے ایک آدھ شمارہ ان کی یاد میں مرتب کیا تھا۔ مگر ضرورت تھی کہ مزید وسعت اور جامعیت کے ساتھ حضرت کے احوال و مقامات اور مناقب ومحاسن پر مشتمل ایک ضخیم شمارہ شائع ہو جائے۔ خدام الدین کے بلند ہمت اور جوان حوصلہ مدیر شہیر برادرم مولانا سعید الرحمان علوی صاحب کو عرصہ سے اس کمی کا احساس تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں بزرگوں پہ ایسے خصوصی شمارے مرتب کرنے کا سلیقہ بھی عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ انہوں نے جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ کی سرپرستی اور ان کے فرزند صالح عزیزم میاں محمد اجمل قادری کے تعاون سے موجودہ شکل میں

حضرت لاہوری مرحوم پر یہ خصوصی شمارہ شائع کیا حضرت قدس سرہٗ کی ہمہ گیر اور جامع حیات طیبہ کے استقصاد کے لئے تو شاید کئی ایسی ضخیم جلدیں کفایت کر سکیں، تاہم جاذبیت ظاہری اور حسن معنوی، وسعت اور ضخامت ہر لحاظ سے یہ شمارہ اپنے مرتبین کے لئے خراج تحسین طلب کئے بغیر نہیں رہ سکتا یہ ایک بڑی خلاء تھی جو ایک حد تک پوری ہوگئی۔ اور حضرت لاہوریؒ کی پاکیزہ زندگی سے آگاہی کیلئے ایک جامع ذخیرہ مرتب ہوگیا۔ فی الوقت یہ ایک بہترین خدمت ہے جس کی طرف ہمارے معاصر دینی وعلمی مجلات نے کچھ توجہ دی ہے۔ ضرورت ہے کہ اب علماء دیوبند کے طبقۂ اولیٰ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے بعد مولانا حسین احمد مدنیؒ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جیسے اکابر پر بھی خصوصی نمبرات شائع کئے جائیں۔ ہم ادارۂ خدام الدین کو اس عظیم خدمت پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے تمام اہل علم، طلباء، مدارس اور قارئین سے اس نمبر سے استفادہ کی سفارش کرتے ہیں۔

(سمیع الحق)

بقیہ: شب و روز

۲۴ رجب — دارالعلوم کے سالانہ امتحانات کا آغاز ہوا، شعبۂ تجوید و قرأت کے امتحانات مولانا قاری محمد یعقوب صاحب جامعہ اسلامیہ راولپنڈی نے لئے۔ دورۂ حدیث کے علاوہ تحریری امتحانات ہفتہ بھر جاری رہے۔ اور مقامی اساتذہ نے نگرانی کی دورۂ حدیث شریف کے امتحانات ۴ شعبان کو شروع ہوکر ۹ شعبان تک جاری رہے۔ وفاق المدارس العربیہ ملتان کے نامزد ممتحنین جناب قاری محمد امین صاحب جناب قاری سعید الرحمان صاحب راولپنڈی نے ان امتحانات کی نگرانی کی مجموعی طور پر امتحانات دو ہفتے جاری رہے۔

۳۰ رجب — (۲۶ جون) جناب مولانا سمیع الحق صاحب نے وفاق المدارس العربیہ کی مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس میں شمولیت کی جو ملتان میں مولانا مفتی محمود صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں قومی کمیٹی برائے مدارس کی سفارشات پر غور کے لئے بلایا گیا تھا۔ کمیٹی میں وفاق المدارس کے دیگر نمائندوں نے بھی شرکت کی مولانا سمیع الحق نے اجلاس میں مجوزہ سفارشات تفصیلاً پڑھ کر سنائیں اور ارکان وفاق کی جدوجہد اور اختلافی مساعی کا بھی ذکر کیا۔ مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہٗ اور دیگر حضرات کے تفصیلی غور و خوض کے بعد ایک قرارداد کے ذریعہ وفاق کے فیصلہ کا اعلان کیا گیا کہ وفاق اور دیوبند سے وابستہ مدارس ان اصلاحات کو قبول نہ کریں، عہدہ اور مناصب مطمح نظر نہ بنائیں۔ اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خالصتہً اعلاء کلمۃ اللہ اور خدمت دین کو ملحوظ رکھا جائے۔

MFTM-S-77

Asiatic

این آئی ٹی
اسلامی نظامِ معیشت کی
جانب پیش قدمی

With Best Compliments

from

SUI GAS TRANSMISSION COMPANY LTD
STATE LIFE BUILDING NO. 3
DR. ZIAUDDIN AHMED ROAD
KARACHI

ایس اے
کے
شہرۂ آفاق
پنکھے
S.A
ملک بھر میں مقبول اور کامیاب
تسکین و آرام کے ضامن
نقل سے بچنے کیلئے نامزد ڈیلروں سے رجوع کریں
سرحد میں ہمارے ڈیلرز
جمشید اینڈ برادرز ۔ نوشہرہ کینٹ ۔ فون ۱۷۱۳
فضل غنی اینڈ سنز، ہوتی بازار ۔ مردان
اتحاد کمبل ہاؤس، بٹ خیلہ بازار ۔ مالاکنڈ ایجنسی
سلطان محمود، ڈیلر سنگر سیونگ مشین تحصیل بازار چارسدہ
نیشنل لائیٹ ہاؤس، داس بازار ۔ بنوں
امجد الیکٹرک سٹور، جیل روڈ، کوہاٹ
اقبال ریڈیو ۱۰۶۲ شاہراہ پہلوی، پشاور کینٹ
منجانب بورڈ آف ڈائریکٹرز
ESTD. 1936
S.A
FANS & MOTORS
فون ۔ 4700
گرام ۔ ESSAYFAN
ایس اے الیکٹریکل انڈسٹریز لمیٹڈ
جی ٹی روڈ گجرات

REGD-NO.P-90